مریضِ عشق پہ.....

شوکت تھانوی

ناول پبلشنگ ہاؤس جنگپورہ دہلی

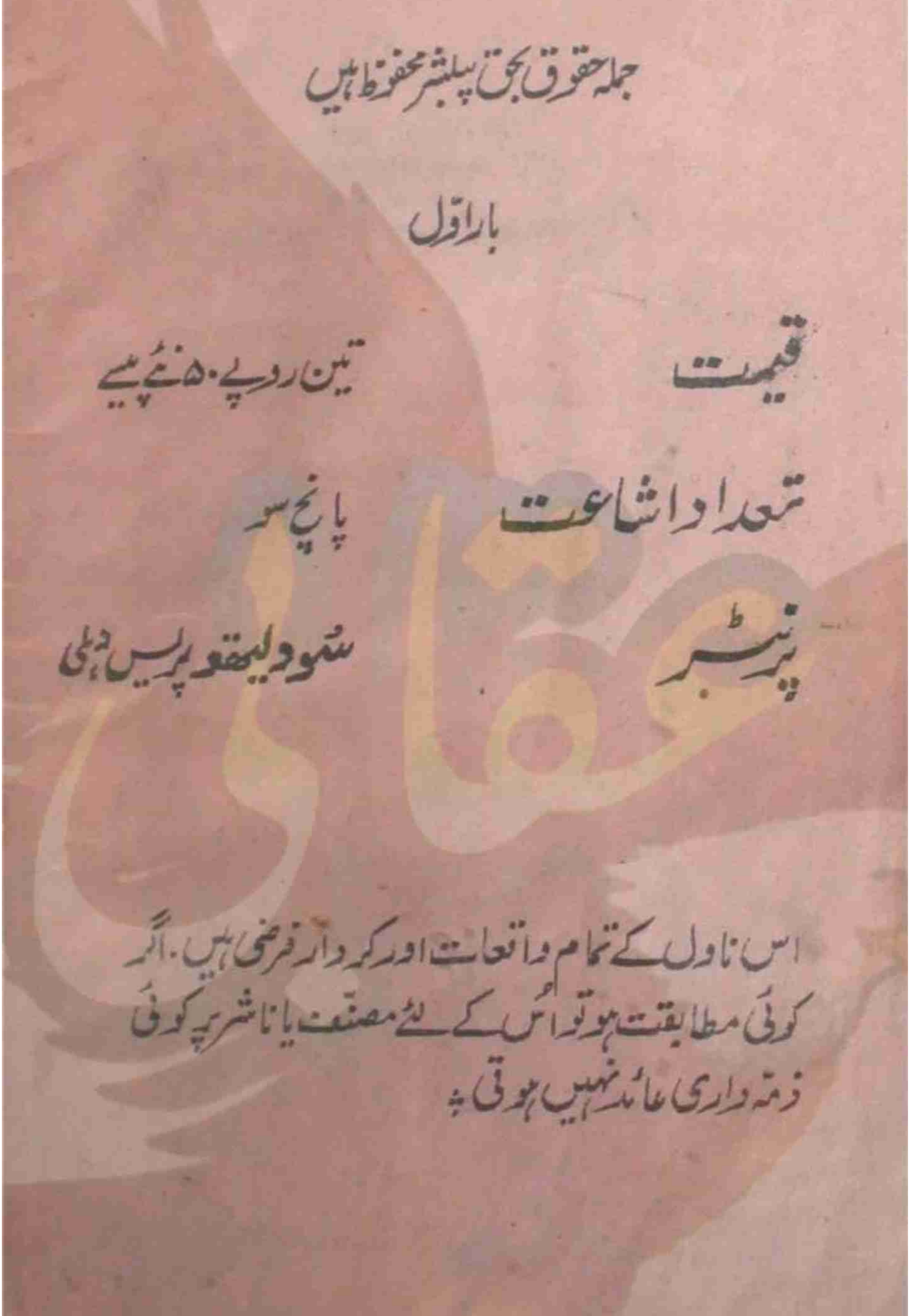

جملہ حقوق بحق پبلشر محفوظ ہیں

بار اوّل

قیمت تین روپے ۵۰ نئے پیسے

تعداد اشاعت پانچ سو

پرنٹر شوویلیتھو پریس دہلی

اس ناول کے تمام واقعات اور کردار فرضی ہیں۔ اگر کوئی مطابقت ہو تو اُس کے لئے مصنف یا ناشر پر کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی۔

انتساب

اُن عاشقوں کے نام جن کو اِس مرض کی وجہ سے لعنتوں میں گرفتار ہونا پڑا ——————!

شوکت تھانوی

پہلا باب

بات واقعی حیران کن تھی۔

اُسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ ایسا بھی ہو سکتا ہے۔ پتھر میں واقعی جونک لگ سکتی تھی ــــ مگر خود اُس نے اپنے کانوں سے ابوالفرح کو فون پر دوسرے سرے سے کہتے ہوئے سُنا تھا

" واقعی میں ایک لڑکی سے محبت کرنے لگا ہوں ...... الخ

اور اب وہ مجبور تھا کہ اپنی قوتِ سماعت پر اعتماد کرے۔

رہ رہ کر اُسے تعجب ہو رہا تھا کہ اگر واقعی ایسا ہوا ہے تو کیسے ہوا؟ ابوالفرح حسینی جیسے سنکی اور خشک مزاج آدمی سے ایسی، شاعرانہ، حرکت کیسے سرزد ہو گئی ــ؟

اگر وہ کسی گدھے کے سر پر اچانک سینگوں کو اُگتے دیکھتا بھی تو اتنا تعجب نہیں ہوتا جتنا اب ہو رہا تھا۔

پھر وہ ابوالفرح حسینی کے متعلق سوچنے لگا۔

ابوالفرح حسینی اُس کا یعنی محمود الرشید کا لڑکپن کا ساتھی تھا۔ ایک ساتھ دونوں نے مڈل کلاسس سے لے کر بی اے تک تعلیم پائی تھی۔ اور گریجویشن فائنل کا امتحان دیتے ہی شہر سے۔ ہاسٹل سے ابوالفرح جو غائب ہوا تو اب چار سال بعد آیا تھا۔ ویسے اس نے اپنی روپوشی کے آغاز میں اسے اطلاع دی تھی کہ وہ زراعت کر رہا ہے۔ اور اس کا ارادہ نہ نوکری کرنے کا ہے اور نہ آگے تعلیم حاصل کرنے کا۔ پھر ایک آدھ ماہ بعد اس کے دو تین خطوط اور آئے۔ محمود نے اپنی روایات برقرار رکھیں یعنی کسی کا جواب نہیں دیا۔

ویسے بھی وہ خاصا مصروف رہتا تھا۔ کالج یونین کے معاملے۔ ہاکی اور فٹ بال کلب کے مسائل وغیرہ جو تھے۔

اور آج کل وہ یوں بھی ذہنی طور پر خاصا پسماندہ تھا۔ انٹر یونیورسٹی ہاکی ٹورنامنٹ میں آٹھویں بار عثمانیہ یونیورسٹی کی نمائندگی کرنے کی تمام کوششیں ناکام ہوئی جا رہی تھیں۔ کم بخت ہاکی ایسوسی ایشن والوں کو اچانک نہ جانے کیا سوجھی کہ انہوں نے ایک شخص کے سات بار سے زیادہ ٹورنامنٹ میں کھیلنے پر امتناع عائد کر دیا تھا۔ اور اب وہ ہاکی کے قواعد اور رواجوں میں تضاد کے متعلق ایسوسی ایشن سے مراسلت کر رہا تھا۔ آخر تیسری بار ایم اے جوائن کرنے سے اس کا مطلب کیا تھا۔ اور....

اور اِن حالات میں اوّل تو اُسے ابوالفرح کی شہر میں آمد ہی ناگوار گزری تھی۔ چہ جائیکہ وہ اس کے "عظیم کارنامہ" کی تفصیلات سننے کیلئے

تیار ہو جاتا — !

مگر اب اُسے اس امر پر مجبوراً رضامند ہو جانا پڑا تھا کیونکہ — ....

کیونکہ اُسے آخرالذکر کو مشورہ بھی دینا تھا اور مقصد و مراد کے حصول میں اس کی مدد بھی کرنی تھی۔

۔ میں چاہتا ہوں کہ تم مجھے صلاح و مشورہ دو کہ میں کیا کروں، راتوں کی نیندیں حرام ہو گئی ہیں۔ اُف ... اف ۔ فون پر ابوالفرح کا لہجہ رقت انگیز سا تھا۔ یقیناً وہ بہت پریشان تھا۔ مصیبت زدہ ہو گیا تھا یعنی عشق زدہ۔

اور عشق سرتاپا پریشانی نہیں تو اور کیا ہے۔؟

اور — اور اس نے یہ امداد طلبی کی لت خود لگا لی تھی۔ کالج کے دنوں میں — جب کہ دونوں ہاسٹل کے ایک کمرہ کے شریک تھے — اُس نے بارہا ابوالفرح (مولوی عینکی) کو بلا طلب مشورے دیئے تھے۔ ہدایتیں دی تھیں۔ اور جو ہمیشہ قیمتی اور قابلِ قدر ثابت ہوتی تھیں۔

یوں بھی مشورے دینا اُس کی عادت — بلکہ فطرتِ ثانیہ ہی بن چکی تھی۔

وہ اپنے حلقۂ احباب میں اور جان پہچان والوں میں ابتدا ہی سے محمود دی اسکیمر (MAHMOOD THE SCHEMF) مشہور تھا

ہاسٹل میں لڑکے بلا لحاظ و تفریق عمر اُسی سے تقریباً ہر معاملے میں مشورے لیا کرتے تھے۔ کسی کی حاضری کم پڑی ہے۔ کسی کا منی آرڈر نہیں آیا ہے کسی کا پرچہ خراب ہو گیا ہے۔ کسی کا...... اور محمود گھنٹوں اور دنوں سے الجھی ہوئی گتھیوں کو واقعی منٹوں میں سلجھایا کرتے تھے۔

تو خیر صاحب — وہ سوچ رہا تھا۔ ابوالفرج دی عینکی یا مولوی عینکی کو اچانک کیا سوجھی کہ وہ ایک لڑکی پر عاشق ہو بیٹھا۔ ارر ...رر... اس عینکی کی تشریح نہیں ہوئی ہے۔ بات یہ تھی کہ ابوالفرج اس قدر موٹے فریم کی — سینگوں کے فریم — کی عینک لگایا کرتا تھا کہ اس کا دُبلا پتلا، پچکا ہوا سانولا چہرہ عینک کے پیچھے بالکل چھُپ جایا کرتا تھا۔ بس ایک ناک، منہ، ٹھوڑی اور پیشانی اور بال نظر آتے تھے یا پھر موٹے موٹے شیشوں میں سے جھانکتی ہوئی دو بھوری آنکھیں نظر آتی تھیں۔ اور یار دوستوں نے اسے خطاب سے نواز ہی دیا۔ اور یہ خطاب بھی کچھ ایسا چپا، یعنی اُس پر اس طرح چپک گیا تھا کہ وہ انٹرمیڈیٹ کے دوسرے سال سے لے کر جب تک کالج میں رہا۔ عینکی ہی کہلایا۔

آدھ گھنٹہ بعد ابوالفرج حسب وعدہ اس کے کمرے میں داخل ہوا۔

"ہلو — پیارے" اُس نے دروازے میں اندر آتے ہوئے نعرہ لگایا۔

"ہلو" محمود نے کہا۔

اور اُٹھ کر اس سے لپٹ گیا۔

عینکی میں ذرہ برابر بھی — رمق برابر بھی تبدیلی نہیں ہوئی تھی وہی موٹے فریم کا چشمہ — چہرے پر ہونق پن اور ویرانی اب بھی تھی۔

"اُف — چار سال — ہم چار سال بعد مل رہے ہیں۔ تم — خاصے بدل گئے ہو"

"ہاں" محمود نے اقرار کیا۔ وہ ذرا موٹا ہو گیا تھا۔ "مگر تم — تم بالکل نہیں بدلے عینکی"!

"ہو ہو ہو — ہا ہا — آ — عینکی — تم اب تک میری عرفیت نہیں بھولے۔ سناؤ کیا حال چال ہیں۔ سنا ہے کہ اب تم تیسری بار ایم اے کر رہے ہو"

"ہاں — وہ — ہاکی کے شوق کی بات تو تمہیں معلوم ہی ہے"

"ہاں۔ مگر یار کیا ساری عمر ہاکی کھیلتے ہوئے گزارنے کا ارادہ ہے۔ لعنت ہو تم پر"

"نہیں — لیکن اور کروں بھی کیا۔ نوکری ووکری تو کرنی نہیں ہے" محمود نے جواب دیا۔

"ہاں — میں بھول گیا تھا۔ خدا سلامت رکھے تمہارے چچا اور چچی کو" ابوالفرح نے کہا۔

محمود کو جو یتیم تھا، اس کے والد مرحوم کے ایک رشتہ کے بھائی نے گود لے لیا تھا۔ اور یہ چچا فرخندہ نگر کے ایک مشہور متمول آدمی نواب

شہامت جنگ تھے۔ اور راوی اسی لئے اس کے حق میں چین ہی چین لکھتا تھا۔

"سناؤ۔ تم سناؤ کیا حال ہے تمہاری زراعت۔ ار ر۔ رر ... وہ۔ وہ" محمود کو بات یاد آگئی "تم نے فون پر جو کہا تھا۔ وہ۔ وہ کیا معاملہ ہے؟" اس نے پوچھا۔

"وہ۔ وہ" ابوالفرح شرما کر ہکلانے لگا۔

"تو کیا سچ مچ تم کسی کو دل دے بیٹھے ہو"

"ہاں" جیسے وہ اقرار جرم کر رہا تھا۔

"خوب۔ بہت اچھے۔ ہا ہا" محمود ہنسا۔

"اور .... اور میں اُس سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ میں.. میں اِس سلسلہ میں تمہاری مدد ضروری سمجھتا ہوں" عینکی نے ملتجیانہ انداز میں کہا۔

"میں دیکھوں گا کہ میں تمہارے لئے کیا کر سکتا ہوں۔؟ لیکن تم کچھ اس لڑکی کے متعلق تو بتاؤ۔ کون سی خوش نصیب ہے جو ......!

"خوش نصیب ـــ خوش نصیب تو میں ہوں کہ اُس جیسی لڑکی ہے ...." اس نے روایاتی عاشق کے انداز میں کہنا شروع کیا۔

"ہم۔ آہم۔ چلو تم ہی خوش نصیب سہی" محمود نے اسے ٹوکتے ہوئے کہا "اب اس کا کچھ حدود اربعہ وغیرہ بتاؤ"

"حدودِ اربعہ — حدودِ اربعہ" اس کے دوست نے دہرایا اور پھر جلدی سے سر ہلا کر بولا "ہاہا — ہا — میں سمجھ گیا۔ اُف۔ چار سال بعد یہ لفظ سن رہا ہوں"

"دیکھو میاں — میں ۳½ کی پکچر دیکھنے جا رہا ہوں۔ اور اب دو بجے ہیں۔ آدھ گھنٹہ ہے میرے پاس۔ یعنی جلدی سے مطلب کی بات پر آجاؤ۔ اور غیر ضروری تفصیلات سے گریز کرو" اسکیمر نے کہا جو اپنے دوست کی عادت سے واقف تھا۔

"اچھا یار اچھا۔ سنو۔ ہوا یہ کہ — میں تمہیں ابتدا سے سنا رہا ہوں قصہ"

"اچھا بھئی۔ سناؤ" محمود نے ہتھیار ڈالتے ہوئے کہا۔

ابوالفرح سے اختصار کی توقع بھی غلط تھی۔

"ہوا یہ کہ گزشتہ ہفتہ کی بات ہے" اس نے کہنا شروع کیا "میں اپنی جیپ میں کھیتوں سے قصبہ کو واپس آ رہا تھا کہ میں نے قصبہ سے اندازاً دو میل پہلے سڑک پر ایک کار کو کھڑے ہوئے دیکھا۔ اور — اور اس کا ڈرائیور انجن پر جھکا ہوا کھٹ کھٹ کر رہا تھا۔ اور ... اور اُس میں وہ بیٹھی ہوئی تھی"

"وہ کون — و.." انجانے میں محمود کے منہ سے نکل گیا۔

"وہ — میرے سپنوں کی رانی۔ یعنی وہ جو اَب میرے سپنوں کی رانی بن چکی ہے۔ لعنت ہے تم پر۔ اتنا بھی نہیں سمجھتے" ابوالفرح نے

جھینپتے ہوئے کہا۔

"یعنی پھر تم نے اپنی بکواس شروع کر دی۔ مختصر سے مختصر الفاظ میں بتاؤ"

"اچھا یار۔ اچھا۔ تو سنو۔ میں نے اسے لفٹ دی۔ اپنے قصبے سے رمیش نگر تک" ابوالفرح نے منہ بناتے ہوئے کہا "جہاں وہ اپنی کسی خالہ سے ملنے جا رہی تھی۔ اور۔ اور جہاں وہ ایک کوٹھی کے سامنے اُتری تو اس نے بڑی سُریلی آواز میں کہا، "شکریہ۔ میں بتا نہیں سکتی کہ میں آپ کی کس قدر مشکور ہوں اگر آپ وہاں نہ ملتے تو......" پھر مجھ کر ایک نظر ڈال کر اندر چلی گئی۔ اور میں واپس لوٹ آیا"

اتنا کہہ کر اُس نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور چشمہ اُتار کر رومال سے پونچھنے لگا۔

"پھر...؟"

"پھر کیا ہوتا۔ اُف اس کی وہ نظر کام کر گئی۔ اور اُس دن سے آج تک اچھی طرح سے سو نہیں سکا"

"او عینکی کی دُم۔ دماغ ٹھکانے ہے یا نہیں۔ ارے کوئی تک بھی ہے۔ ایک انجانی لڑکی کو لفٹ دی۔ اس نے شکریہ ادا کیا اور تم اُس پر عاشق ہو گئے۔ لعنت ہو تم پر"

"انجانی نہیں۔ میں اس کا نام جانتا ہوں۔ اور ویسے بھی مجھے ایسا

معلوم ہوتا ہے جیسے میں اس سے جنم جنم کا شناسائی ہوں ۔ مگر ملاقات بس گزشتہ سنیچر کو ہوئی ۔ اف اُس کی وہ نگاہ :

" ہوں ۔ ہوں ۔ میں سمجھتا ہوں ۔ چلو مان لیا تم اس پر عاشق ہو گئے ۔ اب :؟

" اب ۔ یعنی ۔ ! "

" یعنی یہ کہ میں کیا کروں ۔ ؟ "

" تم کیا کرو گے ۔ ! ارر ۔ رر ۔ میں سمجھا ۔ اب میں اُس سے شادی کرنا چاہتا ہوں ۔ تمہیں معلوم ہے کہ اماں کو بہو کی کتنی ضرورت ہے ۔ ؟ لعنت ہے :

" ہاں :" محمود نے کہا ۔ حالانکہ وہ اس بارے میں کچھ بھی نہیں جانتا تھا ۔

" اب تم مجھے مشورہ دو کہ میں کیا کروں ۔ ؟ "

" مشورہ ۔ ! " اس کے دوست نے ۔ بچارے زبردستی کے بنائے ہوئے بوجھ بجھکڑ نے کہا ۔

" ارر ۔ رر ۔ میں نے تمہیں تفصیلات نہیں بتائیں ۔ ڈرو مت میں مختصراً بتاؤں گا ۔ جیپ میں اٹھارہ میل کے سفر کے دوران میں اس سے خوب باتیں ہوئیں ۔ پتہ چلا کہ اس نے اسی سال بی اے کا امتحان دیا ہے ۔ اُف کیا بتاؤں کس قدر حسین ہے وہ ۔ اُف ۔ اُف :!

"ہوں" محمود نے کہا۔ جو باتوں کے لایعنی ہو جانے سے بور ہو چلا تھا۔

"اف نام بھی کس قدر حسین ہے نعیمہ۔ نعیمہ راحت بیگ"

"نعیمہ راحت بیگ۔؟" محمود چیخ اٹھا۔

"ہاں۔ مگر۔ مگر تمہیں کیا ہوا جو..."

"کچھ نہیں۔ میاں سمجھو کہ تمہارا کام ہو گیا۔ نعیمہ۔ ہاہاہا۔ آ۔ ہاہا بیچاری نعیمہ"

"تم — تم" ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم اس سے واقف ہو۔؟"

"ہاں — بہت اچھی طرح سے" محمود نے عشق زدہ نوجوان کے اشتیاق و تحیر کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا "نینی تال میں پورا جون اور آدھا جولائی اس سے روزانہ واسطہ پڑتا رہا تھا۔ وہ راشدہ کی سہیلی ہے"

"سچ —؟"

"ہاں — بہت اچھی خاصی لڑکی ہے۔ میں — میں تمہارے حسنِ انتخاب کی داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ ہو ہو ہو — تمہاری نظر بھی لڑی تو کس سے — نعیمہ سے — ہو ہو — ہاہاہا" محمود بہت خوش تھا۔

اس لئے کہ وہ اپنے دوست کو نہ صرف کارآمد مشورے دے سکتا تھا بلکہ اسے منزلِ مقصود تک بھی پہنچا سکتا تھا۔

. ہُم — مانتے ہو نہ ہمیں — کیسی اچھی لڑکی چُغنی ہے میں نے : ابوالفرح نے اکڑ کر کہا ۔

. چُغنی تو کیا ہوگی خیر ۔ اب مجھے کچھ اور بتاؤ کہ کیا کیا باتیں ہوئی تھیں اس سے سفر کے دَوران میں :

. اس نے مجھ سے پوچھا کہ میں کیا کرتا ہوں ۔ میں نے اُسے بتایا کہ میں .. زراعت کرتا ہوں اور خصوصیت سے باغبانی ۔ سبزیاں وغیرہ اُگاتا ہوں اور پھر میں نے اپنے باغ کے ٹماٹروں کا تذکرہ کیا ۔ وہ ۔ وہ ۔ ٹماٹر اُسکی بھی مرغوب چیز نکلی :

اور پھر حسبِ عادت علینکی نے ٹماٹر پر ایک لکچر دیا ۔ اور اس کے فوائد و خواص ۔ ٹماٹر کے پودوں کی عادات و فضائل پر روشنی ڈالی ۔

اور محمود چپ چاپ سنتا رہا ۔ وہ ہاسٹل میں سینکڑوں بار اُس سے ٹماٹروں کی شان میں قصیدے بلکہ غزلیں تک سن چکا تھا

تین چار منٹ بعد ابوالفرح کو یاد آیا کہ وہ موضوع سے ہٹ گیا ہے ۔ اس لئے پھر وہ موضوع پر آگیا ۔

. ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ — کیا کہہ رہا تھا ۔ اُف ۔ ارر ۔ یاد آگیا ۔ اس نے بتایا تھا کہ وہ رمیش نگر سے سنیچر کے دن یہاں فرخندہ نگر آرہی ہے ۔ ٹیولی میں کوئی اچھی سی پکچر لگی ہے ۔ اور میٹنی شو دیکھنے کے بعد پھر اپنی خالہ زاد بہنوں کے ساتھ رمیش نگر واپس ہوجائے گی اُف — میری طرح وہ بھی زیادہ باتیں کرتی ہے ۔ ا ۔ آ ۔ اُف ۔ اور

میں — مجھے صبح یہ بات یاد آئی اور میں یہاں دوڑا چلا آیا ’’

‘‘ بہت اچھے۔ اور تم نے ٹیولی کا میٹنی کا ٹکٹ لے لیا۔ کس درجے کا لیا۔ کیا پتہ کہ وہ کس کلاس میں بیٹھے ’’

‘‘ یہ میں نے سوچ لیا تھا۔ میں — میں نے ’’ وہ فاتحانہ انداز میں مسکراتا ہوا بولا ‘‘ ایک روپیہ چار آنے والے درجے سے لے کر ساڑھے چار روپے والے درجہ تک کا ایک ایک ٹکٹ لے لیا ہے ’’

‘‘ واللہ — جواب نہیں ہے — تمہارا۔ لیکن یہ ترکیب تمہیں کیسے سوجھی —؟ ’’

‘‘ بس سوجھ گئی — اس کی مسکراہٹ اب بھی فاتحانہ ہی تھی۔

‘‘ عشق کے معجزے ہیں میاں — سمجھے — ورنہ تم — تمہارے باپ کو بھی یہ بات نہ سوجھتی — محمود نے ہنس کر کہا۔

ابوالفرح بھی ہنسا لیکن بولا کچھ نہیں۔

‘‘ دیکھو معاملہ میں سمجھ گیا۔ اب تم اس کے ساتھ پکچر دیکھو۔ یعنی تھیٹر ہال میں ہو سکے تو مل لو — پھر مجھے بتانا کہ کیا ہوا — اور — میں بھول گیا۔ بات یہ ہے کہ میری سمجھ میں اب تک یہ نہیں آیا کہ تمہیں نعیمہ سے محبت کیسے ہو گئی —؟ ’’

‘‘ بس ہو گئی — تم جانو — وہ پہلی نظر والی بات ہے نا ’’

‘‘ اوہ — تو یہ بات ہے — اب سمجھ گیا۔

پھر دونوں دوستوں میں بیتی باتوں اور بھولی ہوئی یادوں کا

تذکرہ ہونے لگا۔

تین بجے ابوالفرح اس سے یہ وعدہ کر کے اٹھا کہ وہ ٹھیک ساڑھے سات بجے ہوٹل بلو جاسمین میں اس سے ملے گا:

اور یہ بات تو طے ہی تھی کہ محمود چارہ گری کی ترکیب بتانے یعنی مشورہ دینے کی فیس ڈنر کی صورت میں لے گا:

باب ۲

شام کے سات بج رہے تھے کہ ابو الفرج بلو جاسمین میں داخل ہوا محمود گیٹ کے پاس کھڑا ہوا اس کا انتظار کر رہا تھا۔

"ہائے۔ آہ" عینکی نے نعرہ لگایا اور جیب رکھتے ہوئے بولا: "وہ نہیں ملی"

"کیوں ۔ کیا ہوا۔" محمود نے کہا "شاید اس نے پروگرام منسوخ کر دیا ہو"

"نہیں ۔ بلکہ مجھ سے چوک ہو گئی ۔ دراصل وہ ریوالی میں پکچر دیکھنے والی تھی ۔ اور میں ۔ میں ٹیولی میں سمجھا تھا۔ میرے سننے میں فرق تھا۔ لعنت ہے"

"اوہ ۔ پھر ۔ !"

"سنو تو سہی کہ کیا ہوا ۔ میں ٹیولی گیا۔ اور انتظار میں کھڑا رہا۔

- اُف - کیا بتاؤں انتظار کی لذت - اور - اور انٹرول تک باہر کھڑا تھا - وہ نہیں آئی ۔ اور پھر انٹرول کے بعد جب پکچر شروع ہونے والی تھی مجھ سے باہر رہا نہیں گیا - گری گھیوزی پک میرا ابھی محبوب اداکار ہے اور میں پورے چار سال بعد اس کی پہلی فلم دیکھے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔ خیر - عین اس وقت جبکہ پکچر ختم ہو رہی تھی مجھے یاد آیا کہ شاید نعیمہ نے دلوی کہا تھا۔ اور میں وہاں سے جیپ لے کر بھاگا لعنت ہے - اور اُس وقت - یوالی پہنچا جب کہ پکچر ختم ہو گئی تھی - اور ـ

ہُم - تو تمہاری شہر کی تڑپ بیکار گئی : محمود نے تنقیداً کہا۔

ہیں - وہ - وہ مجھے نظر آ گئی - جیسے ہی میری کار پورٹیکو کے قریب - پارکنگ اسٹینڈ پر پہنچی ۔ میں نے اس کی سرخ اولڈس موبائل دیکھی - اور وہ خود اسٹیرنگ پر بیٹھی تھی - لیکن اس سے پہلے کہ میں اسے اپنی جانب متوجہ کر لیتا - اُس نے کار اسٹارٹ کر دی - ہا - آہا - اُف :

اور وہ اپنی پیشانی سے پسینہ پونچھنے لگا -

چہ - چہ : محمود نے اظہارِ افسوس کیا : اب کیا ہوگا - میں سمجھے بیٹھا تھا کہ تم اس سے ملو گے اور پتہ چلے گا کہ وہ رمیش نگر میں کب تک رہ رہی ہے - پھر وہاں سے کہاں جائے گی : ؛

- تمہارا مطلب - ؟

- مطلب یہ کہ میں اُس سے بخوبی واقف تو ہو گیا ہوں - اور مجھے

یہ بھی معلوم تھا کہ وہ رمیش نگر میں اُس کی ایک خالہ رہتی ہے مگر وہ خود کہاں رہتی ہے۔ یہ نہیں معلوم تھا۔ اور ٹھہرو۔ اس نے کچھ بتایا تو تھا۔ میں بھول گیا ہوں "

"لعنت ہے تم پر۔ ایسے اہم موقع پر بھول گئے " اُف " ابوالفرح نے اپنے پرانے دوست کو ڈانٹا۔

"ہُم۔ کیسے معلوم تھا کہ تم اُس عاشق ہو جاؤ گے اور مجھ سے اسکا اَتا پتہ پوچھنے آؤ گے "

"تو پھر کیا کریں۔ ہائے۔ اُف۔ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا ہے " عاشق۔ نوآموز عاشق کی زبان سے نکلا۔

"تم بھی کیسے عاشق نکلے۔ محبوبہ کے متعلق کچھ بھی نہیں معلوم ہے "

"یار۔ اور مذاق اُڑاؤ۔ دِل پر چھریاں چل رہی ہیں اور تم طنز کر رہے ہو۔ ہاں۔ خوب یاد آیا " ابوالفرح نے کہا: "اُس نے بتایا تھا۔ اُس پری وش حسینہ نے بتایا تھا کہ وہ اتوار کو رمیش نگر سے کسی حشمت گنج جائے گی۔ جہاں کوئی چچی خالدہ رہتی ہیں۔ ایک ہفتہ کے لئے "

"ٹھہرو " محمود نے اسے روکتے ہوئے کہا " تمہیں اچھی طرح سے یاد ہے۔ حشمت گنج اور چچی خالدہ۔ یا پھر غلط نام یاد رکھ لئے ہیں۔؟"

. مجھے اچھی طرح سے یاد ہے۔ چچی خالدہ بیگم ہی کہا تھا۔ مگر کیوں۔؟ ہ

. اُلو کی دُم۔ چچی بیگم اگر حشمت گنج گئی ہیں تو پھر بیڑا پار ہے۔ تمہیں پتہ ہے جی۔ یہ۔ ۔ ۔

. اور۔ کہیں یہ چچی بیگم۔ تمہاری چچی بیگم تو نہیں ہیں۔ شاید الفرح نے اشتیاق سے پوچھا۔

. اور کیا۔ وہ مارا۔ میاں۔ اب سمجھو۔ منزل قریب ہے۔

. ہُش۔ گڑبڑ مت کرو۔ اور اتنا زیادہ خوش نہ ہو کہ تمہارا ہارٹ فیل ہو جائے۔

. اُف۔ اف۔ مرحبا میرے دوست۔ کیا موقع کے لئے چچی بیگم پال رکھی ہے۔

. ابے اُلو۔ چچی بیگم کو میں نے نہیں پال رکھا ہے۔ بلکہ چچا جان اور چچی بیگم نے مجھے پالا ہے۔

ہوں۔ چلو سمجھ گیا۔ بس ذرا سا فرق ہی تو تھا میرے کہنے میں۔ خیر۔ اب بتاؤ مجھے کب حشمت گنج لے چلو گے۔ جیپ میں پیٹرول بھر والوں گھنٹہ بھر میں نکل چلیں گے۔

. ارے میرے عاشق صبر۔ عاشقی صبر طلب کام ہے۔ سنو۔ میں آج رات میں غور کر دوں گا کہ تمہیں کس بہانہ سے حشمت گنج بھیجوں۔

کیا مطلب۔ یعنی کہ تم میرے ساتھ نہیں چلو گے۔؟

" نہیں۔ مہینہ بھر بلکہ ڈیڑھ مہینہ چچی بیگم کے ساتھ رہ کر خود بھی بور

رہا ہوں اور انہیں بھی بور کر چکا ہوں۔ اور اس سے نجات پائے ہوئے دس دن بھی نہیں گزرے ہیں۔ اور تم پھر مجھے ان کے پاس گھسیٹے جانا چاہتے ہیں۔ نہیں بھئی نہیں۔

"مگر یار پھر میرا کام کیسے بنے گا۔؟"

"سنو۔ میں تمہیں پرسوں۔ زیادہ سے زیادہ پرسوں کسی ترکیب سے حشمت گنج بھجوا دوں گا۔ اور پھر تم ہو گے۔ تمہاری البیلی حسینہ۔ اور نا۔ نا۔ بات پوری ہو لینے دو۔ اور شہامت کا بیچ کا خوبصورت باغ ہو گا۔ جھیل ہو گی۔ چاندنی راتیں بھی ہیں۔ اور جھیل میں بوٹنگ ہوتی ہے۔ فضا خاصی رومانی ہوتی ہے۔ بس اظہارِ مدعا کر دینا۔ اور اگر اس نے ہاں کر دی تو پھر شادی کرانا میرا ذمہ۔ سمجھے"

"سمجھ گیا۔ اُف سمجھ گیا۔ مگر ظالم تم خود کیوں نہیں آؤ گے۔؟"

"میں بھی آؤں گا۔ مگر تین چار دن ٹھہر کر۔ اچھا اب کچھ کھلاؤ گے یا مشورے اور رائے مفت رہے گی۔؟"

"نہیں یار۔" ابو الفرح بولا "بھلا ایسے کیسے ہو سکتا ہے۔ بیگم۔ لیا آؤ چلیں"

"ارے بھئی۔ میں تم سے پوچھنا بھول گیا تھا کہ تم آخر ٹھہرے کہاں ہو۔؟"

ہاہا۔ ہا۔ میں بھی بتانا بھول گیا تھا۔ لعنت ہے۔ یہ کہیں میں ٹھہرا دیں نا۔ نا۔ نا۔ تکلف برطرف۔ ایک دن کا کرایہ دے ہی چکا ہوں۔ یا تو

صبح ۱۱ بجے حشمت گنج چلا جاؤں گا۔ یا پھر تمہارے پاس آجاؤں گا"

"مگر یہ ہوٹل میں ٹھہرنے کی کیا تک تھی۔ ہم مر تو نہیں گئے تھے؟"

"یار میں نے ایسا اس خیال سے کیا کہ کیا پتہ تم شہر میں بھی ہو بھی یا نہیں" ابوالفرح نے معذرت خواہی کی۔

"خیر میاں۔ صبح تم دس بجے اپنا سامان لے کر میرے پاس آ رہے ہو۔ چاہے حشمت گنج جانا ہو نہ ہو۔ میرا مطلب یہ ہے کہ کل ہی۔ پرسوں شام تک تمہیں حشمت گنج میں ہونا چاہیئے۔ یہ میرا ذمہ ہے"

"بات پکی ہے نا۔ یا پھر محمود دی اسکیمر کی قرینہ اسکیم فیل ہو رہی ہے۔ ہاہاہا۔ آر" وہ ہنسا۔

رات کو ساڑھے نو بجے جب محمود اپنے فلیٹ پر پہنچا تو اس کے نوکر نے ایک ٹیلیگرام دیا۔

اس نے کھول کر دیکھا۔ چچی بیگم کا تار تھا۔ لکھا تھا۔

فوراً چلے آؤ ـــ (خالدہ)

"ہم" اس نے تار میز پر رکھتے ہوئے کہا "رمضانی مائی ڈیر۔ تم اوولٹین بنا لاؤ"

"جی اچھا ـــ صاحبزادے" رمضانی نے کہا۔ مگر بدستور لگے تکتا گیا۔

"اوہ۔ تم تار کے متعلق پوچھنا چاہتے ہو"

• جی ہاں - خیریت تو ہے نا ۔؟

• بالکل خیریت ہے - ممی بیگم نے مجھے حشمت گنج بلایا ہے اور کچھ نہیں ۔

• تو پھر آپ جا رہے ہیں - باندھوں سامان وغیرہ - ؟

• نہیں - میرے پیارے رمضانی نہیں - بندہ کہیں جا وا نہیں رہا ہے ۔

• لیکن بیگم صاحب نے - - - ۔

• تم اوولٹین بنا لاؤ ۔ محمود نے اونچی آواز میں کہا -

پھر اوولٹین کے آتے آتے اس نے سوچ لیا کہ کیا طریقۂ کار اختیار کیا جائے - ؟

رمضانی ۔ اس نے نوکر کو کمرہ میں داخل ہوتے ہوئے دیکھ کر کہا ۔ گلاس رکھ دو یہاں اور ایک ایکسپریس تار دے آؤ - روپے ہیں نا تمہارے پاس - ؟

• جی ہیں ۔

محمود نے جواب میں جو تار بھیجا وہ یہ تھا -

• فوراً " کی توضیح کیجئے ___ محمود ۔

رات کو بارہ بجے رمضانی نے اسے جگا کر ٹیلیفون ڈرائنگ روم سے لا دیا اور بولا ۔ ٹرنک کال ہے حشمت گنج سے ۔

"کون ہے" محمود ماؤتھ پیس میں دھاڑتا ہوا بولا۔

وہ مزے سے خواب میں ہاکی فائنل کھیل رہا تھا۔ اور گول مارنے کے قریب تھا کہ رمضانی نے جگا دیا۔ اور نتیجتاً موڈ بگڑ گیا تھا۔

"گدھے — یوں کیوں چیخ رہا ہے" فون کے اُس سرے سے کسی نے زنانی آواز میں کہا۔

"اوہ — آپ — چچی بیگم" محمود نے آواز پہچان لی۔ وہ چچی بیگم تھیں۔

"ہاں — میں ہوں — اور سنو تم کل صبح پہلی بس سے حشمت گنج روانہ ہو رہے ہو سمجھے"

اور پھر انہوں نے فون رکھ دیا۔

"ہم — سمجھ میں نہیں آتا کہ میری حشمت گنج میں۔ اتنی کیا شدید ضرورت ہے" اس نے کہا اور پھر چادر تان لی۔

رمضانی نے منہ بنا کر اپنے آقا کو دیکھا۔ ایک آدھ منٹ توقف کرنے کے بعد وہ فون اٹھا کر لے ہی جا رہا تھا کہ محمود نے اُسے ٹوکا۔

"رمضانی — کاغذ قلم لے آؤ — میں تار لکھ دوں گا۔ علی الصبح بھیج دینا — چھ بجنے ہوں — سمجھے"

"جی — صاحبزادے"

چند منٹ بعد وہ آنکھیں ملتا ہوا اٹھ رہا تھا

• جلدی ؛ سے آپ کا مطلب واقعی "فوراً" سے ہے یا ۔ اور "آؤ" کا مطلب بالکل "آؤ" ہے ۔ ، ، ـــــ .... حیران و سراسیمہ محمود۔ لکھ کر اس نے ایک سرسری سی نظر ڈالی اور پھر فارم رمضانی کی طرف بڑھاتا ہوا بولا ۔

• صبح نو بجے سے پہلے مجھے جگانا نہیں ۔ سمجھے ؛

• جی ہاں ۔ سمجھ گیا ؛ رمضانی نے کہا ۔

• اور یہ تار بھی ایکسپریس ہوگا ۔ اب جاؤ ؛

اور پھر وہ غڑاپ سے چادر کے اندر ہوگیا ۔

رمضانی کے لئے یہ کوئی نئی بات نہیں تھی ۔ وہ اپنے نوجوان آقا کی فطرت سے ، عادات سے بخوبی واقف تھا ۔ وہ اس کی زندہ دلی اور کاہلی سے بھی اچھی طرح واقف تھا ۔

اور اس طریقہ مراسلت ، خط و کتابت کا بھی اسے علم تھا ۔ اُسے معلوم تھا کہ اس کا آقا واقعی وقت کی قدر کرتا ہے ۔ پیغامات کی ترسیل کے لئے ہمیشہ تار بھیجا کرتا ہے ۔ اور بیگم صاحبہ کی تار بازی بھی اس کے لیے کوئی نئی بات نہیں تھی ۔

صبح نو بجے جب محمود اٹھا تو چچی بیگم کا بھیجا ہوا ایک ایکسپریس تار اس کے پلنگ کے ایک بازو رکھا تھا ۔

لکھا تھا :۔

"ہاں - ہاں - ہاں - ہاں - ہاں - اور اگر اب بھی تم کچھ نہیں سمجھے تو تم پر لعنت ہو۔ بس ایک دم چلے آؤ احمق - ورنہ...

خالدہ"

میاں محمود نے پڑھ کر ایک دو منٹ منہ بنایا اور پھر تین چار سگریٹ پھونکنے کے بعد مسکرائے۔

انہیں کچھ سوجھ گئی تھی۔

اس نے پھر ایک تار بھیجا۔

"میں اب بھی آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔ آخر۔ کیوں آؤں -؟"

اور اس کی یہ حرکت قطعی غیر متوقع یا عجیب نہیں تھی۔

اپنی بڑھتی ہوئی بذلہ سنجی، شگفتہ مزاجی اور زندہ دلی نے اس سے ماضی میں بھی اس طرح کی حرکتیں کروائی تھیں۔

اور ویسے بھی یہ معاملہ چچی بیگم کا تھا۔ جو اس پر ہمیشہ سے جان چھڑکتی تھیں۔ اور جن کی ناز برداری اور جن کے لاڈ نے اسے بڑی حد تک بگاڑ بھی دیا تھا۔

لیکن اس۔ بگاڑ، کا مطلب یہ نہ لیجئے کہ اس کی عادات اور خصلت بری تھی۔ نہیں۔ بس حرکتیں عجیب ہوا کرتی تھیں اور کچھ نہیں۔

۱۱ بجے کے قریب جب وہ نہا کر شیو بنا چکا تھا اور ناشتہ کی میز پر

بیٹھا ابوالفرح کا انتظار کر رہا تھا۔ تار کا جواب آیا۔

"بس فوراً چلے آؤ۔ فوراً۔ اور یہ تار بازی بند کر دو۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ روپے کا مصرف صرف یہی ہے کہ ہر گھنٹہ کے بعد تمہیں تار دوں۔؟"

"خالدہ"

"ہم۔ تو چچی بیگم واقعی یہ چاہتی ہیں کہ میں فوراً شہامت کاٹیج پہنچ جاؤں۔ لیکن کیوں؟" اس نے تار پڑھتے ہوئے سوچا۔

پھر اسے خیال آیا کہ حکماء کا قول ہے کہ خالی پیٹ ذہن پر بار نہیں ڈالنا چاہیئے۔

"رمضانی۔ ناشتہ لاؤ۔ میں کسی مسخرے کا انتظار نہیں کروں گا۔ وہ جب آئے گا تو تنہا کھا لے گا۔"

ناشتہ کرتے ہوئے اس نے سوچا کہ آخر چچی بیگم کیوں اسے بلا رہی ہیں۔ لیکن وہ کسی نتیجہ پر نہیں پہنچ سکا۔

اور رہی جانے کی۔ تو وہ قطعی اِس بات پر تیار نہیں تھا۔

نینی تال میں ڈیڑھ ماہ اور اس سے پہلے دس دن اس نے شہامت کاٹیج میں چچی بیگم کے ساتھ گزارے تھے وہی اس کے لئے کافی تھے۔

وقت پر سوؤ۔ اتنے بجے جاگو۔ اتنے بجے بیڈ ٹی پیو۔ اور اتنی دور تک ٹہل آؤ۔ ٹھیک ۸ بجے ناشتہ کرو۔ ناشتہ کے بعد اخبار پڑھ کر سناؤ۔ ساڑھے نو کے بعد سے ۱۲ بجے تک راشدہ کے ساتھ پنڈوں

کے شکار پہ جاؤ۔ یا پھر چچا جان کی لائبریری میں بیٹھو۔ ساڑھے بارہ بجے دوپہر کا کھانا۔ ۲ بجے سے ساڑھے چار بجے تک قیلولہ کرو:

وقت کی پابندی۔ وقت کی پابندی۔ کھانے، سونے بلکہ ..... تک وقت کی پابندی اس کے فرشتوں سے بھی ناممکن تھی مگر چچی جان نے اس سے یہ سب کچھ ناگوار فرائض انجام دلوائیے تھے۔

اور اب وہ اپنی بادشاہت چھوڑ کر کیوں پھر چچی بیگم کی نادر شاہی میں جانے لگا۔ یہاں تو جب جی چاہا کھایا، سویا۔ بلکہ گایا اور کوئی پوچھنے والا نہیں تھا۔

آخر اس نے طے کیا کہ ایک اور تار بھیجا جائے۔

ناشتہ ختم کر کے اس نے تار لکھا۔

۔ آ رہا ہوں۔ اگلے اتوار کو۔

۔ محمود۔

ایسا کرنے سے اس کا منشا یہ تھا کہ چچی بیگم اس سے چڑ جائینگی اور اس پر لعنت بھیجتے ہوئے خاموشی ہو جائیں گی اور وہ حشمت گنج جانے سے بچ جائے گا۔

رمضانی کو تار فارم دیتے دیتے اسے یاد آیا کہ رات نیند نہیں ہوئی ہے۔ یعنی اچھی طرح سے نہیں ہوئی ہے۔

اور اس نے سکنڈ شو، شو لینے کا ارادہ کر لیا۔

بولا: رمضانی۔ ریکس ہوٹل پر ابوالفرج صاحب کو فون کر دیا ہے انہیں اطلاع دو کہ میں ایک ضروری کام سے۔۔ یہیں۔ مقامی ہاکی ایسوسی ایشن کی میٹنگ میں چلا گیا ہوں اور شام کو میں چار بجے گھر لوٹ.. آؤں گا۔ اور کہنا کہ وہ چار بجے۔ ٹھیک چار بجے یہاں آ کر مجھ سے ملیں۔ اور سنو۔ میں سونے جا رہا ہوں پھر"

"جی" نوکر نے سر ہلایا۔

کوئی دو تین گھنٹے بعد جب وہ اپنی خوابگاہ میں کھڑکیوں پر پردے گرائے پنکھے کو فل اسپیڈ پر چلتا ہوا چھوڑ کر سو رہا تھا کسی نے اُسے جھنجھوڑا۔

"ہونہہ۔ کون نامعقول ہے" اس نے کروٹ بدلتے ہوئے آنکھیں کھولے بغیر کہا۔

"کیا کہا۔ مردود۔۔؟" کسی نے کہا اور ساتھ ہی اس کے کان مروڑے گئے۔

اُس نے بے چین ہو کر پھر کروٹ بدلی اور آنکھیں کھولیں۔

چچی بیگم اُس پر جھکی ہوئی تھیں۔

"اٹھو۔ اٹھو۔ کاہل نکمے کہیں کے" وہ اسے بیدار ہوتا دیکھ کر چیخیں۔

"ہا۔ آ۔ آ۔ آپ" اس نے جماہی لیتے ہوئے کہا۔ اور پھر

ان کی گردن میں باہیں ڈال دیں۔

"چل اُٹھ۔ یہ نخرے ختم کر۔ اُٹھ" چچی بیگم نے غصّہ اور پیار کے ملے جلے احساسات کے ساتھ کہا۔

"اُٹھ تو رہا ہوں۔ مگر آپ اس قدر سویرے ...؟"

"نواب صاحب۔ سویرا نہیں ہے۔ دن کے چار بج رہے ہیں"

"واقعی؟" اس نے اُٹھ کر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"واقعی سے مطلب تمہارا واقعی ہی ہے" چچی بیگم نے طنز کیا۔

"اوہ۔ ہو ہو ہو۔ لیکن یہ تو بتائیے کہ آپ اِس طرح اچانک کیسے تشریف لے آئیں"؟

"کار سے آئی ہوں۔ اور جلدی سے اُٹھو۔ مُنہ دھو لو۔ اور کپڑے بدل کر تیار ہو جاؤ۔ میں تمہیں اپنے ساتھ حشمت گنج لے جا رہی ہوں"

"چچی بیگم" اس نے احتجاج کیا۔

"کیا ہے؟"

"جی۔ مجھ سے تو آپ کے ساتھ چلنا نہیں ہو گا۔ بات یہ ہے کہ میری طبیعت ناساز ہے۔ بہت ناساز ہے"

"ہوں۔ مگر یہ بہانہ نہیں چلے گا میرے پاس۔ سچ بتا آخر تو کیوں نہیں چلنا چاہتا ہے۔ اور — اور یہ میرے دس تاروں کے جواب میں بھی تو ہلا تک نہیں — آخر۔ معاملہ کیا ہے۔؟" چچی بیگم نے غصّہ

سے کہا

"جی وہ ۔ ہاکی ایسوسی ایشن کا معاملہ ..."

"اوہ ۔ سمجھ گئی" چچی بیگم نے کہا۔

پھر چند سیکنڈ بھنویں اونچی کرنے کے بعد بولیں "اچھا تو پھر یہ کرو کہ پرسوں چلے آنا۔ ۲۹ کو ۔ ۲۹ کو میں تم سے وہاں ایک خدمت لینا چاہتی ہوں"

"مجھ سے؟"

"ہاں تم سے"

"مجھ سے!" محمود نے پھر پوچھا۔

"ہاں تم سے، تم سے، تم سے، سنا؟"

"جی سن لیا۔ لیکن آخر کس طرح کی خدمت ۔ کچھ تو بتائیے"

"حشمت گنج کا پرائمری اسکول ہے نا ۔؟"

"ہاں ہے"

"تو اس کا سالانہ جلسہ ہے ۲۹ کو۔ اور اس میں انعامات بھی تقسیم ہوں گے اور ـــ اور تمہیں معلوم ہے کہ تمہارے چچا جان اُس اسکول کے سرپرست ہیں ۔ اس لئے جلسۂ تقسیم انعامات کی صدارت کے سلسلہ میں انتظام میرے ذمہ ہے اور میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ تم صدارت کرو گے اور انعامات بھی تقسیم کرو گے ۔ سُنا"

"کیا کہا آپ نے ـــ؟ میں ۔ میں ـ یعنی کہ میں جلسہ کی صدارت

کروں گا ۔؟" محمود بوکھلا کر بولا۔

"ہاں تم" چچی بیگم نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"واقعی آپ یہ چاہتی ہیں ۔؟"

"واقعی سے تمہارا مطلب واقعی ہی ہے یا ..." چچی بیگم نے پھر طنز کیا۔

"آپ مذاق تو نہیں کر رہی ہیں ۔؟"

"تجھ سے میں مذاق کروں گی ۔ ہوش میں آ لڑکے" چچی بیگم نے کہا۔

لیکن یہ ایک حقیقت تھی کہ وہ بہت زیادہ پُر مذاق تھیں اور اگر محمود کی کور کسی سے دبتی تھی تو انہی سے دبتی تھی ۔ بڑی سنجیدگی سے وہ اُسے اُلو بنایا کرتی تھیں ۔

اور یہ جلسہ تقسیم انعامات بھی ۔ یعنی اُس کی صدارت ۔ ان کی ایک سازش تھی ۔ نینی تال میں محمود نے جو انہیں اور اُن کی اکلوتی بیٹی راشدہ کو بور کیا تھا ۔ یہ اس کا بدلہ لے رہی تھیں ۔

"تو آپ یہ چاہتی ہیں کہ میں لونڈوں کو انعامات تقسیم کروں اور پھر جلسہ میں تقریر کروں ۔؟"

"ہاں ۔ میں اعلان بھی کروا رہی ہوں"

اتنے میں رمضانی چائے لیے ہوئے آیا ۔ اور باتوں کا سلسلہ ٹوٹ گیا ۔ محمود منہ دھونے باہر چلا گیا ۔

چائے کے بعد محمود نے سنجیدگی سے چچی بیگم سے کہا ۔

"چچی بیگم۔ بندہ سے تو یہ نہیں ہونے کا۔ صدارت کے لئے کسی اور کو پکڑیئے۔"

"محمود۔ دیکھو اگر تم نہیں آئے تو ..." وہ کوئی اور دھمکی دیتے دیتے رک گئیں۔ انہیں علم تھا کہ جیب خرچ بند کرنے کی دھمکی وغیرہ موثر نہیں ہوگی۔ پھر انہیں محمود کا کمزور پہلو یاد آگیا۔ تو.. تو تم ہر ماہ کے آخری اتوار کو جو شہامت کا ٹیچ آتے ہو جمال خاں کے تیار کئے ہوئے کھانے، کھانے کے لئے۔ وہ سلسلہ بند۔"

"آہ۔ ایسا مت کیجئے۔" محمود نے بیتاب ہو کر کہا۔

اچھے کھانے اس کی واحد کمزوری تھی۔ اور جمال خاں شہامت کا ٹیچ کا خانساماں اپنے فن کا استاد تھا۔ پکوان اُس کا پیشۂ اجداد تھا۔ اور بقول خود، اُس کے دادا کے دادا کا باپ یا دادا شاہجہاں کا خاص باورچی تھا۔ اور محمود جب رمضانی کے بنائے ہوئے کھانوں سے اُکتا کر ہوٹلوں کا کمزور سہارا لیتا اور نتیجتاً ان سے بھی بیزار ہو جاتا تو پھر کم سے کم مہینہ میں ایک بار تو حشمت گنج بھاگتا اور ایک دو دن جمال خاں کے ہاتھ سے بنے ہوئے مغلائی پکوان کھاتا اور معدہ و مزاج درست کر لیتا تھا۔

محمود عام طور پر کہا کرتا تھا کہ اس کی زندگی کے بہترین لمحات میں سے بہت سے جمال خاں کے بھُنے ہوئے مُرغ، تیتر میں یا حلوے وغیرہ کھاتے ہوئے گزرے ہیں۔

"تو پھر چل رہے ہو؟" چچی بیگم نے کہا۔ "میں جانتی تھی کہ تم بیٹھو کہاں ہتھیار

ہتھیار ڈال دو گے۔؟"

"ہا۔ آ۔ چچی بیگم۔ خدا کی پناہ۔ ظلم کر رہی ہیں آپ۔ میں جو ایک فن کار کے فن کی داد دیتا ہوں اُسے آپ پیٹو پن سے تعبیر کر رہی ہیں۔؟"

"خیر کان کھول کر سن لو۔ اگر تم نے جلسہ کی صدارت نہیں کی تو پھر کم از کم سال بھر تک تو تم فن کار کے فن کی داد دینے سے محروم کر دیئے جاؤ گے۔"

محمود نے سر کھجایا اور بولا "لیکن آپ میرے پیچھے کیوں پڑی ہوئی ہیں آخر مجھ میں کیا سرخاب کے پر لگے ہوئے ہیں؟"

"میں جانتی ہوں کہ تم کیا ہو" چچی بیگم نے صبر آزما انداز میں کہا۔

"ہوں" اُس نے کہا اور اُسے یکدم کچھ سوجھ گئی۔ "لیکن چچی بیگم آپ کو پتہ ہے۔ انعامات کی تقسیم وغیرہ کسی بڑے آدمی سے کرائی جاتی ہے۔ عموماً وزیر۔ یا ممبر پارلمنٹ یا پھر اسپیکر اسمبلی ہے۔"

"گدھے۔ یہ قسمت گنج پرائمری اسکول کا جلسۂ تقسیم انعامات ہے کسی کالج یا...."

"آہ۔ تو پھر چچا جان سے صدارت کروایئے!"

"تمہارے چچا جان سے۔ نا نہیں۔ مجھے ان سے ایک اور کام لینا ہے۔ مجھے اُن سے پانچ ہزار روپے لینے ہیں۔ نینی تال سے واپسی میں

یہاں شہر میں جو شاپنگ ہوئی ہے اس کے بل کی ادائیگی کرتی ہے۔ اور بل ۲۰ تاریخ تک ادا ہو جاتا ہے۔ اور میں آج یا کل اُن سے ان بلوں کا تذکرہ کروں گی۔

اور تم جانتے ہو اُن کا موڈ کس قدر جلد بگڑ جاتا ہے خصوصاً روپے کے معاملہ میں۔ اور اگر میں ایسے میں اسکول کے جلسہ کی صدارت کے لئے کہوں۔ نا بابا نہیں ہونے کا۔”

“ تو میں کیا کروں۔ مجھ سے کبھی صدارت نہیں ہونے کی۔”

“ تو پھر میں کیا کروں۔ صدر ڈھونڈھنے جاؤں نہیں۔ اور — وقت بہت ہو گیا ہے مجھے ۶ بجے تک حشمت گنج پہنچنا ہے۔ سنو، تم کل یا پرسوں صبح وہاں پہنچ رہے ہو۔ میں چلی۔”

اور چچی بیگم تیزی سے کمرہ سے باہر چلی گئیں۔

باب ۳۔

جمی بیگم کے جانے کے بعد محمود نے سر ہاتھوں میں رکھ لیا اور کرسی پر اکڑوں بیٹھے ہوئے سوچنے لگا کہ اب کیا کیا جائے۔

۲، ۳ منٹ ہی گزرے ہوں گے اور اُسے اس وقت تک راہ فرار بھی نہیں سوجھی تھی کہ رمضانی نے "ابوالفرح صاحب" کی آمد کی اطلاع دی۔

"یہیں بلا لاؤ۔ اِسی کمرہ میں اور اُس کے لئے چائے اور میرے لئے کاک ٹیل لیتے آنا۔ ذرا طبیعت صاف کر لوں۔" محمود نے کہا۔

کاک ٹیل۔ اُس کا کاک ٹیل۔ شراب کا نہیں مشروبات کا ہوا کرتا تھا اور وہ بھی **گرم**۔ یعنی مگ میں ایک کپ چائے، ایک پیالہ کافی اور آدھا گلاس **اوولٹین** اور نصف پیالی کوکو اور کبھی کبھی اِس میں چاکلیٹ بھی آجاتا تھا۔ **گرمیوں میں** یہی کاک ٹیل ٹھنڈے مشروبات کا ہو جاتا تھا۔

اور اُس کا کہنا تھا کہ یہ کاک ٹیل اسکے دماغ کے ۱۴ طبق روشن کر دیا کرتا ہے۔ تھکن، سستی، اور سر کا درد پیٹ کا درد اور ہلکا بخار سب اس سے بھاگ جاتا ہے۔

"ہلو۔ کیا طے کیا تم نے۔۔" ابوالفرح نے کمرہ میں داخل ہوتے ہوئے چیخ کر کہا۔

"چیخو مت۔ میں تمہیں ابھی بھیج دونگا۔ سمجھے۔ میں کچھ اور سوچ رہا ہوں۔ کسی اور بارے میں۔۔۔"

"اور میری کشتی خواہ منجدھار میں ڈوب ہی جائے" ابوالفرح نے روتے ہوئے کہا "لعنت ہے"

نہیں۔ بابا۔ نہیں"

"تو پھر جلدی بتاؤ۔ میرا سامان جیپ میں بندھا ہوا ہے۔ کوئی ۱۱ بجے سے اور ٹنکی میں پورے بارہ گیلن پٹرول بھرا ہے۔ حشمت گنج کے لئے کافی ہوگا نا"

"بہت کافی۔ بلکہ کافی سے زیادہ ہے۔ یہاں سے ۵۰ میل دور ہے بس۔" محمود نے اپنی الجھنوں سے نکلتے ہوئے کہا۔

"تو پھر میں اب چلوں ½ ۶ بجے تک پہنچ جاؤں گا۔ بلکہ ۶ بجے تک"

"نہیں۔ آہستہ آہستہ چلاتے ہوئے دو گھنٹہ میں پہنچو۔ میں انہیں — چچی بیگم کو ابھی تار دیئے دیتا ہوں کہ تمہیں بھیج رہا ہوں — اور تمہیں تار کے بعد وہاں پہنچنا چاہیئے"

"ٹھیک ہے۔ اف۔ ہار۔ آ۔ تو جلدی لکھو تار۔ میں

خود ڈاک گھر سے دیئے دیتا ہوں اور اُس کے بعد نکل پڑوں گا۔

"دیکھو۔ شہر کے باہر دریا کا پل پار کرنے کے بعد جو چوراہا آتا ہے اُس پر زاہد آباد جانے والے راستہ پر ہو لینا اور ۲۲ میل بعد تمہیں ایک سہ راہ ملے گا جس پر بائیں ہاتھ کو مڑ جانا۔ روڈ سائن بھی ہو گا۔ حشمت گنج ۲۸ میل۔" اور بس چلے چلنا"

"اچھا۔ یار۔ جلدی سے تار لکھو"

"لکھ رہا ہوں۔ تم ذرا یہ چائے بنا لو۔ میں اپنا مشروب پی لوں پھر......"

پانچ منٹ بعد اُس نے تار لکھا۔

"میں اپنے ایک دوست ابوالفرح حسینی کو ۲۔۳ دن کے لئے حشمت کاٹیج کی مہمان نوازی کا لطف اٹھانے بھیج رہا ہوں۔ محمود"

اور ابوالفرح اُس کے ہاتھ سے تار فارم جھپٹ کر بس۔ بھاگ ہی نکلا۔

اُس کے جاتے ہی محمود نے سگریٹ سلگایا اور کمرے میں ٹہلنے

لگا اب اُس کے ذہن میں صرف ابوالفرح اور نعیمہ ہی تھی۔ اور وہ سوچ رہا تھا۔ اور مسکرا مسکرا کر سوچ رہا تھا کہ جب دونوں ملیں گے تو کیا مزہ آئے گا۔ اور پھر جب دونوں مل کر باغ میں گھومیں گے۔ جھیل میں کشتی رانی کریں گے۔ چاندنی رات میں ٹہلیں گے اور راشدہ اپنی ہوشیاری سے معاملات بھانپ کر انہیں تنہائی دے گی اور کیا مزہ آئے گا۔ کیا لطف آئے گا۔ آخر نعیمہ کب تک مزاحمت کرے گی۔ ابوالفرح کی محبت کو کیسے ٹھکرا سکیگی۔ شہامت کاٹیج کی سی رومانی فضا میں کسی لڑکی کا اپنے دل پر قابو رکھنا اور محال تھا۔

اور پھر ایک ہی میز پر کھانے میں شریک ہوں گے ایک دوسرے کی خاطر و مدارات کریں گے اور کیا پتہ کہ ٹماٹر کی طرح اُن کی کئی اور پسندیں بھی مشترک نکلیں اور ۔ اور ۔۔۔ "

اُسے یکدم کوئی بات یاد آگئی۔

" رمضانی "، اُس نے چلا کر کہا۔

" جی ۔ آیا۔ صاجزادے "

" تار فارم۔ ایک اور تار فارم لے آؤ۔ لائبریری میں سے "

" جی " اور رمضانی دروازے میں ہی سے لوٹ گیا۔

اُس نے ابوالفلاح شہامت کاٹیج حشمت گنج پتہ لکھتے ہوئے

مضمون لکھا ہ

«اچار سے گریز کرو۔ مچھلی کو مت چھوڑو ــــ محمود»

دراصل معاملہ یہ تھا کہ اُسے یاد آیا تھا کہ نعیمہ کو اچاروں سے چڑ ہے اور مچھلی سے نفرت ہے اور یہ دونوں چیزیں ابوالفرح کی مرغوب غذاؤں میں سے ہیں۔ اور وہ نہیں چاہتا تھا کہ نعیمہ اور ابوالفرح کی پسندوں میں تضاد ہو۔ اور اسکا اثر معاملات پر پڑے۔

"رمضانی"، اُس نے تار فارم نوکر کو دیتے ہوئے کہا "اسے فوراً بھیج دو ــ جلدی۔ بہت جلدی" اور پھر ٹہلنے لگ گیا۔

اب اس کا دماغ کام کرنے لگ گیا تھا "محمودس کاک ٹیل" Mahmood's cock tail اپنا اثر دکھا رہی تھی۔

جلسہ تقسیم انعامات کی صدارت کے سنگین مسئلہ پر غور کرتے ہوئے اُسے حل سوجھ گیا۔

"وہ مارا" وہ چیخا اور آرام سے پھر بستر پر دراز ہو گیا۔

اُسے اچانک خیال آگیا تھا کہ جلسہ کی صدارت اور تقسیم انعامات ابوالفرح سے کروائی جائے تو کیسا رہے گا۔ نہ صرف یہ کہ اس کے اپنے سر سے بلا ٹل جائے گی بلکہ ابوالفرح کا خود کا کیس مضبوط ہو جائیگا

نعیمہ پر رعب پڑ جائے گا۔

رات میں سوا آٹھ بجے وہ کلب سے اٹھ گیا۔ اس کا ارادہ تھا کہ سکنڈ شو دیکھے کیونکہ کسی پکچر کو سکنڈ شو میں دیکھے ہوئے اُسے ۲ مہینے گزر چکے تھے اور اُسے میٹنی میں یا شام کے شو میں مزہ نہیں آرہا تھا۔

چونکہ رات کے دوسرے اور تیسرے پہر ہلکی ہلکی سی سردی پڑ رہی تھی اِسلئے وہ گرم کوٹ لینے کے لئے کلب سے چل کر سیدھا اپنے فلیٹ آیا اور وہاں رمضانی نے اُسے دیکھتے ہی قمیض کی جیب میں ہاتھ ڈال کر اُسے ایک تار نکال دیا۔

چچی بیگم کا تھا اور انھوں نے لکھا تھا:

" نالائق۔ گدھے۔ جی میں آتا ہے کہ آکر تیرا گلا گھونٹ دوں! کیا تم نے شہامت کاٹیج کو یتیم خانہ سمجھا ہے یا سرائے جو جس دوست کو چاہا بھیج دیا۔ یہ ابوالفرح کون ہے جسے تم نے ہمارے سر پر مسلط کر دیا ہے ــــ "خالدہ""

وہ پڑھ کر مسکرایا۔ اُسے چچی بیگم سے کسی ایسے ہی ردعمل کی توقع تھی۔

اُس نے جواب میں لکھا۔

ابوالمفرح نہیں ابوالفرح۔ محمود۔

اُس نے لکھنا ختم بھی نہیں کیا تھا کہ دروازہ پر گھنٹی بجی۔

ایک ڈیڑھ منٹ بعد رمضانی ایک اور سفید لفافہ لیتے ہوئے آیا۔

یہ ابوالفرح کا تھا:

تمہارا تار یہاں ملا۔ لکھا ہے " اچار سے گریز کرو۔ مچھلی کو مت چھوڑو۔ میں تمہارے خفیہ پیغام کو سمجھ نہیں سکا۔ بذریعہ تار وضاحت کرو"

"فرح"

ہوں تو عشق نے اور قرب محبوب نے سوچنے کی بھی صلاحیت سلب کرلی ہے۔ سیدھے سادے الفاظ کو گمبھیر سمجھ رہا ہے۔ محمود نے اپنے آپ سے کہا۔

پھر اُسے شرارت سوجھی۔

"نشتر سے پرہیز کرو۔ محمود"

اُس نے تار لکھ کر رمضانی کو آواز دے کر بلالیا اور جلدی سے بھیجنے کی تاکید کی۔

اِس کے بعد اُس نے بیٹھ کر چچی بیگم کو ایک خط لکھا جس میں بڑے لطیف پیرائے میں ابوالفرح حسین کی تعریفیں کیں اور بتایا کہ وہ کالج کے دنوں میں اچھا مقرر تھا اِس لئے اگر اس سے اسکول کے جلسہ کی صدارت کرائی جائے تو مناسب رہے گا وغیرہ وغیرہ۔

اور پھر اطمینان سے دلیپ کمار کی فلم دیکھنے چلا گیا۔

۱۲ بجے رات واپس ہوا تو چچی بیگم کا بھیجا ہوا تازہ تر ٹیلیگرام بستر کے بازو میز پر موجود تھا۔

" یہ جو ابوالفرح ہے۔ بہت نفاست پسند اور سیدھا سادہ آدمی ہے۔ حالانکہ تمہارے دوست کی حیثیت سے مجھے اس کی توقع نہیں تھی۔ اور ٹماٹر کے متعلق تو اتھارٹی معلوم ہوتا ہے۔ میں اسکول میں ایک خصوصی جلسہ میں ٹماٹر کے فوائد پر اُسی سے تقریر کروانے کی سوچ رہی ہوں۔ تم ۳۰ر کو آرہے ہو نا ـــــ خالدہ

اُس نے جواب لکھا:

میری مصروفیات مجھے یہاں سے ۳۰ر کو غیر حاضر رہنے نہیں دے سکتیں۔ معافی چاہتا ہوں۔ محمود۔

اور رمضانی کو بلا کر تاکید کی کہ وہ علی الصبح اِسے بھیج دے۔

صبح ۱۰ بجے جب وہ اٹھا تو اُس کے جواب کا جواب آیا ہوا رکھا تھا:

" نامعقول! اگر تم سمجھتے ہو کہ جلسہ کی صدارت کرنے سے بچ جاؤ گے تو غلطی پر ہو۔ خود سے چلے آؤ ورنہ اچھا نہ ہو گا۔ خالدہ "

اُس نے فوراً تار فارم پر لکھا:

دیکھئے میں ہرگز انعامات تقسیم نہیں کرنا چاہتا۔ اور۔

اور اگر کوئی اور آدمی اس کام کے لئے نہیں مل رہا ہے

تو ابوالفرج کو پکڑیئے۔ غضب کا مقرر ہے۔ اُس سے موزوں آدمی آپ کو نہیں مل سکے گا تفصیلات خط میں۔

ے خادم۔ محمود۔

رمضانی نے فارم لیتے ہوئے منہ بنایا اور اددر کہا۔

'' صاحبزادے پرسوں شام سے اب تک تاروں پر صرف ہمارے ۲۸ روپے خرچ ہوئے ہیں۔''

'' ۲۸ خرچ ہو جائیں۔ تمہیں کیا غرض۔ اپنے کام سے کام رکھو رمضانی۔ اور یاد رکھو آج کل میرا موڈ بہت خراب ہے۔'' اُسنے نوکر کو ڈانٹا۔

ایک بجے جب وہ ہاکی ایسوسی ایشن کے دفتر سے لوٹا، کالج ابھی تک چھٹیوں کے سلسلہ میں بند تھے، تو اُسے تار بازی کے سلسلہ کی آخری کڑی ملی۔

پچی بیگم نے لکھا تھا:

'' اچھی بات ہے: نالائق، گدھے۔ پاجی۔ تمہاری بات مانے لیتی ہوں۔ ابوالفرج کو صدر بناؤں گی۔ اور۔ اور تم اب دو مہینے مجھے منہ نہ دکھانا۔ '' خالدہ ''

'' ہاؤ۔ آؤ'' اُس نے تار پڑھ کر اطمینان کی سانس لی۔

وہ دو گھنٹہ سو کر اٹھا تو طبیعت اس قدر خوش تھی کہ کہا نہیں جا سکتا تھا

اِسی سرور و انبساط کے عالم میں اُس نے ہاکی کی پریکٹس کے دوران اپنے دو تین ساتھیوں کو رونگ سائڈ میں لا کر چھوڑ دینے کے بجائے اُن کی پنڈلیوں اور گھٹنوں پر ڈنڈے چلائے۔ اپنی سائڈ چھوڑ کر ادھر اُدھر دوڑتا پھرا۔ اور ۳، ۴ بار گول کرتے کرتے گول کیپر کے سامنے گیند چھوڑ کر بازو ہٹ گیا۔

کلب میں اُس نے برج کھیلتے ہوئے لٹل سلام ری ڈبلڈ (Little Salam ReDoubld) کی بلڈنگ پر ایک اوور ٹرک (Over Trick) بنانے کا نہ صرف موقعہ ہاتھ سے جانے دیا بلکہ ۲ ڈاؤن (Down) بھی دیئے۔

بلیرڈز روم میں اُس نے کیوں اتنی زور سے چلایا کہ اُس کی ہاتھی دانت کی گنید۔ سفید گنید۔ بجائے اِن آف (in off) ہونے کے میز کے باہر جا گری۔

رات گیارہ بجے وہ جھومتا جھامتا، گاتا گنگناتا اپنے گھر پہنچا اور رمضانی نے دروازہ کھولتے ہوئے جس طرح سے اُس کا خیر مقدم کیا یہ دیکھ کر اس کا دل بیٹھ گیا۔

“ کیا ہے ”

“ ایک ایکسپریس تار آیا ہے۔ صاحبزادے ”

“ ہاؤ۔ آ۔ نہ جانے چچی بیگم نے ارادہ بدل دیا ہے اور اس جلسہ

کی صدارت مجھ ہی سے کروانا چاہتی ہیں۔" اُسنے اپنے آپ سے کہا۔

اس نے لفافہ کھولا اور پڑھا اور یکدم تار اُس کے ہاتھ سے چھوٹ کر گر گیا۔

"کیوں خیر تو ہے نا۔ صاحبزادے۔" رمضانی نے کہا جو اُسکے سامنے کھڑا تھا۔

"آں۔ کیا کہا تم نے۔ تم نے مجھ سے کچھ کہا۔" محمود نے جو تار پڑھ کر سراسیمہ ہو گیا تھا اپنے نوکر کی بات نہیں سنی تھی۔

"وہ۔ وہ۔ کیا لکھا تھا اس میں۔" رمضانی نے نیچے پڑے ہوئے تار کو اٹھاتے ہوئے کہا۔

"اوہ۔ یہ۔ اِس میں۔ رمضانی بہت بری خبر ہے۔ راشدہ اور اسلم کی نسبت ٹوٹ گئی ہے۔"

"جی کیا کہا۔ راشدہ بی بی کی نسبت ٹوٹ گئی۔"

"ہاں۔ اور جلدی سے میرا سامان باندھو۔ سوٹ کیس میں ۳،۴ جوڑے کپڑے رکھ دینا اور شیونگ سیٹ۔ میں۔ میں دوپہر میں کار سے حشمت گنج جا رہا ہوں۔ چچی بیگم بہت پریشان ہوں گی۔ میں معاملات کو سلجھانے کی کوشش کروں گا۔"

"اوہ۔ لیکن اسلم میاں اتنے اچھے لڑکے ہیں۔ یہ۔ یہ کیسے ہو گیا صاحبزادے۔" رمضانی نے پوچھا۔

اور اُسے اس طرح پوچھنے کا حق بھی تھا۔ وہ شہامت یار جنگ

کے خاندان کا سو پشتوں سے ملازم چلا آرہا تھا۔

”اُسی راشدہ کی بچی نے کچھ شرارت کی ہوگی یا۔ رمضانی۔ اب مجھے سونے دو۔“ محمود نے یکدم موضوعِ گفتگو کو بدلتے ہوئے کہا۔

”میں سونے سے پہلے کچھ دیر سوچوں گا۔ اسکیم بناؤں گا کہ صورتِ حال سے کس طرح نبٹا جائے۔“

۔ اور پھر نو ۹ بجے مجھے اٹھا دینا۔ صبح مجھے۔ ہاکی ایسوسی ایشن کے دفتر جانا ہے۔

باب ۴

دوسرے دن دوپہر میں وہ کار۔ اپنی امپورٹس کار۔ کو بس اڈے کے لئے جا رہا تھا اور اُسی رفتار سے راشدہ اور اسلم کے متعلق سوچ رہا تھا۔

اُسے یہ دونوں بہت پسند تھے۔ اس لئے کہ نہ صرف دونوں ایک سے مزاج اور عادات و اطوار کے حامل تھے بلکہ بہت خوبصورت جوڑا تھا دونوں کا۔ اور پھر اسلم اُس کا پرائمری سے بی اے تک ساتھی رہا تھا۔ کہیں پچیس کوس کے فاصلہ سے رشتہ دار بھی تھا۔ اور راشدہ اُسے سگی بہن کی طرح پیاری تھی۔

اور اِس میں ایک اور بات بھی تھی۔

راشدہ کی توجہ اسلم کی طرف منکشف ہونے سے اور نتیجتاً تعلقات کے بڑھتے بڑھتے منگنی کے اعلان پر آکر ختم ہو جانے سے اُسے راشدہ کی طرف سے بے فکری ہو گئی تھی۔

یہ فکر اس لئے تھی۔

کہ اس کے چچا جان کا خیال ہونے والا تھا۔ بات کوئی

سال بھر پہلے ہوئی تھی۔ کہ راشدہ ملاقاتیوں۔ دور کے رشتہ داروں میں سے کسی بھی نوجوان کی طرف مائل ہوتی ہوئی نظر نہیں آتی ہے۔ اور اس کی عمر ۲۱ سال سے اوپر ہو چکی ہے۔ اُس کی اب شادی ہو جانی چاہیئے۔ اِس لئے کیوں نہ اُسے اُس سے (محمود سے) بیاہ دیا جائے۔ گھر کی جائداد بھی گھر میں رہے گی۔ اور دونوں میں خاصی محبت ہے انس ہے (وہ اُن کے برادرانہ و خواہرانہ جذبات کو کچھ اور رنگ دینے لگے تھے) ایک دوسرے کے عادات و اطوار سے کمزوریوں اور خوبیوں سے بخوبی واقف ہیں۔

تو جب انہوں نے یہ بات۔ اپنا یہ نظریہ۔ چچی بیگم کے سامنے رکھا تھا تو آخر اللہ کرے انہیں ڈانٹ کر چپ کر دیا تھا۔ لیکن محمود ڈرتا تھا کہ کہیں اُن کے ذہن میں پرورش پانے والے جراثیم چچی بیگم کے دماغ میں نہ سرایت کر جائیں اور ... اور اُس کی لٹیا ڈوب جائے!۔

اور جب چھ ماہ پہلے راشدہ اور اسلم کا رومانس چلا اور پھر دونوں کی منگنی ہو گئی تو وہ بہت خوش ہوا۔ اسلم اُس کے لیے ایک فرح سے نجات دہندہ ہو گیا تھا۔

وہ دونوں کے متعلق سوچ رہا تھا اور نظریں سامنے سڑک پر تھیں اور ایک ہاتھ اسٹرنگ پر تھا اور دوسرے کی انگلیاں

میں سگریٹ دبی ہوئی تھی۔

وہ سوچ رہا تھا:

"آخر منگنی کیوں ٹوٹی۔ دونوں میں اکثر چھوٹے چھوٹے جھگڑے تو ہوا ہی کرتے تھے۔ اسلم ہمیشہ اتوار کا دن حشمت گنج میں گزارتا تھا عموماً سرورنگر سے۔ اپنے شہر سے۔ سنیچر کی شام میں شہامت گنج آجاتا تھا اور پیر کی صبح میں واپس چلا جاتا تھا۔ وہ ایل ایل بی کرنے کے بعد اپنے والد مرحوم کے کسی رشتہ دار یا دوست کے ساتھ جونیر کی حیثیت سے پریکٹس کر رہا تھا۔ اور اسلم اکثر و بیشتر اپنی سادہ لوحی اور ایمانداری کی بنا پر راشدہ کی کوئی حرکت۔ کوئی ادا۔ کوئی چیز اُسے ناپسند ہوتی وہ اُس پر اپنا استحقاق سمجھ کر فوراً ناگواری کا احساس ظاہر کر دیتا اور دونوں میں چل جاتی۔ اُسے تین ماہ پہلے کا ایک واقعہ یاد آیا جب اسلم نے راشدہ کے خریدے ہوئے ایک وینٹی بیگ کو دیکھ کر ناک بھوں چڑھائی تھی اور راشدہ کو کور ذوقی کا طعنہ دیا تھا اور نتیجتاً دوپہر کے کھانے پر اور اُس کے بعد شام کی چائے پر بھی راشدہ منہ پھلائے رہی تھی اور اُس نے ان چھ گھنٹوں میں اسلم سے ایک بار بھی بات نہیں کی تھی۔

لیکن منگنی ٹوٹنے کے لئے کسی سنجیدہ قسم کے جھگڑے کے بارہ میں وہ کوئی قیاس نہیں کر سکا۔

گھنٹہ بھر کے اندر اندر وہ شہامت کاٹیج میں تھا۔

چچی جان اُسے دیکھتے ہی کھل اٹھیں "آہ۔ محمود تم آگئے" انہوں نے کہا اور پیار سے اُسے سینہ سے لگالیا۔

"ہاں چچی بیگم۔ اتنا سنجیدہ معاملہ رونما ہو جائے اور میں آپ کے قریب نہ رہوں۔ بھلا یہ بھی ہو سکتا ہے"

اور اُس نے چچی بیگم کو دیکھا جن کے چہرے پر پھر رنج والم کے بادل چھائے جا رہے تھے۔ سانحہ کا انہیں واقعی بہت صدمہ پہنچا تھا انہوں نے اُسے اپنی جانب دیکھتے ہوئے پاکر مسکرانے کی کوشش کی لیکن ناکام رہیں۔

"چچی بیگم۔ آپ بلا وجہ فکر کر رہی ہیں۔ میں سب معاملہ منٹوں میں سلجھا دوں گا۔ اور آپ دیکھیں گی کہ دونوں میں پھر صلح ہو جائیگی۔

"خدا کرے۔ لیکن لڑکے" انہیں یکدم یاد آیا کہ ان کا بھتیجہ مشہور اسکیم ساز ہے۔ اوہ تو تمہارے ذہن میں کوئی اسکیم ہے"

"نہیں اس وقت تو نہیں ہے لیکن میں دو چار مختلف زاویوں سے معاملہ پر غور کر رہا ہوں۔ اور جلد سے جلد کوئی نہ کوئی ترکیب ذہن میں آہی جائیگی۔ آپ بے فکر رہیئے"

"آہ۔ محمود۔ کیا بتاؤں جب سے نمی تال سے آئی ہوں۔ پریشانیاں ہی پریشانیاں ہیں۔

وہ بل کا معاملہ الگ کھٹائی میں پڑا ہوا ہے۔ میرے پاس بنک میں صرف چند سو روپئے رہ گئے ہیں اور تمہارے چچا جان کو آج کل کفایت شعاری سوجھی ہے۔ پھر یہ اسکول کے جلسہ تقسیم انعامات کا معاملہ جس میں تم ـ بدمعاش لڑکے۔ تم نے مجھے خاصا تنگ کیا۔ اور اور میں تم سے سخت ناراض تھی۔ لیکن اب جو تم یوں چلے آئے ہو میری مدد کرنے تو ـ میں ـ میں نے تمہیں معاف کر دیا۔ اور ـ اور ویسے بھی وہ تمہارا ابوالمفرح ...۔“

ابوالمفرح نہیں ابوالفرح۔ سعادت مند بھتیجے نے صحت کی۔

”ہاں تو ابوالفرح ہے نا تمہارا دوست۔ میرا خیال ہے وہ جلسۂ تقسیم انعامات کی صدارت کے لئے بہت موزوں رہے گا۔ مگر شرط یہ ہے کہ وہ تقریر کرتے ہوئے ٹماٹوں کے عنوان کو نہ درمیان میں گھسیٹ لے آئے۔“

”اوہ“ محمود نے بظاہر تعجب کا اظہار کیا۔

”کیا بتاؤں تمہیں۔ رات کھانے کے بعد اُس نے ٹماٹر کے متعلق جو لکچر شروع کیا تو دو گھنٹہ بعد جا کر کہیں تھما۔ تمہارے چچا جان تو اُسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ اور خدا بھلا کرے بجاں خاں کہ اُس نے ناشتہ کے متعلق پوچھکر اُن کے غصہ کے لاوا کو پھٹ پڑنے سے روک لیا۔“

”اوہ ـ اچھا چچا جان تو خیریت سے ہیں نا۔ مزاج موڈ وغیرہ؟“

محمود نے پوچھا۔

"وہ نینی تال سے واپسی میں فرخندہ نگر میں رک گیا تھا۔ یعنی اُس کے معنی یہ تھے کہ ۲ ماہ سے اُس نے اپنے چچا کی صورت نہیں دیکھی تھی۔"

"اُن کا موڈ — بہت بگڑا ہوا ہے۔"

انکم ٹیکس والوں نے اُن سے گذشتہ سال کے ٹیکس کے متعلق نو سو ننانوے روپے بارہ آنے اور مانگے ہیں۔ اور خود اُن کے اپنے حساب کے متعلق یہ زائد رقم۔ بقیہ ٹیکس تو وہ ادا کر چکے ہیں نو سو نوے روپے ۔ آنے ہونی چاہیئے۔ وہ ۹ روپے ۵ کے اِس ناجائز مطالبہ پر سخت پریشان ہیں۔

اور صرف دن بھر انکم ٹیکس ڈپارٹمنٹ کو۔ ریونیو والوں کو بلکہ کانگریسی سرکار کو گالیاں دیتے رہتے ہیں۔ جو سوشلزم لا کر۔ بقول اُن کے ملک کو تباہ کرنا چاہتی ہے۔"

"جی — سمجھا۔ وہی کفایت شعاری کا دورہ پڑا ہے نا پھر۔"

محمود جانتا تھا کہ اُس کے چچا پر سال بھر میں ایک دو بار کفایت شعاری کا بھوت سوار ہو جاتا ہے اور وہ اِس دوران میں ۲ آنے کے لیے بھی گلا پھاڑ کر چیخ سکتے ہیں۔

"انکم ٹیکس والوں کا نوٹس آتے ہی انہوں نے کھانا پینا چھوڑ دیا تھا۔

وہ تو سمجھو کہ جمال خالہ ہے نا اپنا۔ اُس نے کھانے ایسے لذیذ

بنانے شروع کیئے۔

اور اُن کی مرغوب ڈشیں تو روز بنانی شروع کر دیں۔

"زندہ باد جمال خاں" محمود چیخا۔

"آہ۔ چیخو مت۔ ہاں تو میں کیا کہہ رہی تھی تم سے۔ ہاں تو جب سے نینی تال سے واپس آئی ہوں۔ پریشانیاں ہی پریشانیاں ہیں۔ نعیم نے دو روز تنگ کیا اُس کے بعد کل صبح ذرا اطمینان ہوا تھا کہ۔ شام میں راشدہ اور اسلم میں چل گئی اور اس زور سے چلی کہ آدھے گھنٹے کے بعد راشدہ نے اپنے بائیں ہاتھ سے منگنی کی انگوٹھی اتار کر پھینکتے ہوئے اسلم سے کہا

"تم جانور ہو۔ یہ لو اپنی انگوٹھی"

یعنی اُسنے۔ صاف طور پر منگنی توڑ دی۔ اور اسلم نے بھی یہ کیا کہ انگوٹھی اٹھا کر جیب میں ڈال لی"

"آخر ہوا کیا تھا۔ کس بات پر چل گئی"

"ارے لڑکے وہی پرانا قصہ۔ نینی تال کا۔ ہم لوگ یعنی میں وہ تمہارا ابوالفرح۔ نعیمہ اور راشدہ اور اسلم بیٹھے ہوئے چائے پی رہے تھے پائیں باغ میں۔ تمہارے چچا ٹہلنے کے لئے کاٹیج سے باہر گئے ہوئے تھے۔ اور راشدہ نے سنانا شروع کیا کہ کسی طرح نینی تال میں اُس کے پاؤں میں زہریلا سانپ لپٹ گیا تھا"

"آہ۔ مجھے خوب یاد ہے۔ میں ساتھ ہی تھا۔ بیچاری اتنی گھبرائی

تھی کہ بتا نہیں سکتا۔ آدھے گھنٹہ تک وہ چل نہیں سکی تھی" محمود نے کہا۔

اُسے مہینے بھر پہلے کا واقعہ اچھی طرح یاد تھا۔ اور اُسکے تصور میں راشدہ کا زرد اور سراسیمہ چہرہ اب تک محفوظ تھا۔ وہ راشدہ سے پچاس قدم آگے چل رہا تھا۔ اور چیخ سن کر پلٹتے پلٹتے اور راشدہ تک پہنچتے پہنچتے۔ سانپ پنڈلی چھوڑ کر جا چکا تھا۔

تو جب راشدہ نے بتایا کہ کس طرح ڈیڑھ دو منٹ کے جان لیوا صبر کے بعد سانپ رینگ کر چلا گیا۔ تو اس پر اسلم نے کہا۔ ہونہہ تمہیں غلط فہمی ہوئی ہو گی کوئی بیل ہو گی۔ اس پر راشدہ نے اُسے سمجھانا چاہا کہ نہیں سانپ ہی تھا اور بہت زہریلا تھا۔ اس پر اسلم نے اُس کی ہنسی اڑائی اور کہنے لگا۔ کچھوا ہوگا جسے تم نے سانپ سمجھ لیا ہوگا" اب راشدہ آگ بگولہ ہو گئی۔ کہنے لگی تو تم مجھے جھوٹا سمجھتے ہو" نہیں اسلم نے جواب دیا۔

مگر تم بات کو بہت بڑھا چڑھا کر بتاتی ہو" یہ کہنا تھا کہ راشدہ غصہ سے بے قابو ہو گئی۔ پھر دونوں میں تو، تو میں، میں ہو گئی۔ اور۔ اور منگنی ٹوٹ گئی۔ راشدہ نے اسلم کو احمق، بھوندو کے نام سے پکارا۔ اسلم نے اُسے چڑچڑی، فیشن پرست، اور نکھٹو ہونے کا طعنہ دیا" اور آخر میں راشدہ نے انگوٹھی اتار پھینکی۔ اور ...."

"ہاہو۔ آ۔ میں سمجھتا ہوں" فاضل اجل محمود الرشید نے کہا۔

"ہائے۔ میں کیا کروں۔ تمہارے چچا بھی بہت پریشان ہیں۔ میں تو رات بھر نہیں سو سکوں گی۔"

"اوہ۔ چچی بیگم۔ لیکن اب۔ اب میں آگیا ہوں۔ اطمینان رکھیے۔ شام تک راشدہ کے ہاتھ میں پھر انگوٹھی نظر آنے لگے گی۔"

محمود اُن سے اجازت لے کر پورٹیکو کی سیڑھیاں چڑھ رہا تھا۔ کہ اسلم سے مڈبھیڑ ہو گئی۔

"ہلو" اسلم نے کہا۔

اُس کا چہرہ حد درجہ اداس۔ آنکھیں اندر کو ہو گئیں تھیں اور آواز میں ترشح تھا۔ چہرہ سے اُسکے جذبات کی پوری غمازی ہو رہی تھی۔

محمود کا دل تو چاہا کہ وہ انجان بن کر گردن ہلا کر اُس کے بازو سے گزر جائے۔ بالکل اُسی طرح سے جیسے کہ اسلم راشدہ سے منگنی ہو جانے کے بعد سے اُس کے ساتھ کرتا آیا تھا۔

واقعی اسلم نے ایسا ہی کیا تھا۔ منگنی کے بعد وہ محمود کو شاندار روایتی سالا سمجھ بیٹھا تھا۔ اور یہ بھول گیا تھا کہ وہ محمود کا ۱۲، ۱۳ سال تک ہم جماعت رہا اور وہ اُسکا اچھا دوست بھی رہا تھا۔

لیکن اب یہ اسلم مصیبت زدہ تھا اس لیے۔

"ہلو۔ مائی ڈیر بوائے" اُسنے کہا۔

"کب آئے" راشدہ کے سابق منگیتر نے پوچھا۔

"ابھی ابھی آیا ہوں۔"

"ٹھہر رہے ہو یا بس دن بھر کے لئے آئے ہو؟"

"میرا پروگرام کچھ غیر یقینی سا ہے۔"

"ہوں۔" اسلم نے کہا۔

اور چند سکنڈ بعد آسمان کی طرف گھورتے ہوئے بولا "تمہیں میرے معاملہ کا علم ہو گیا ہے؟" میرے اور راشدہ کے جھگڑے کا اور

"ہاں۔" محمود جلدی سے بولا "میں نے سنا ہے کہ تم نے اُسکے سانپ کو کیچوا بتایا۔ اور......"

"ہاں کیچوا ہی رہا ہو گا۔ یہ لڑکیاں۔ تم جانتے ہو نا۔"

"ہاں۔ مگر۔ مگر۔ میرے عزیز وہ واقعی سانپ تھا۔ اور یوں تمہیں راشدہ کی بات پر شبہ نہیں کرنا چاہیئے تھا۔"

"ہوں۔ اچھا۔ تمہیں تفصیلات کسی نے بتائیں؟"

"بچی بیگم نے۔"

"اوہ۔ اور مجھے گالیاں بھی دی ہوں گی۔" لحیم شحیم اسلم نے غص میں آنے کی کوشش کرتے ہوئے پھنکار سی ماری، "فف۔ فف۔"

"نہیں۔ البتہ برسبیل تذکرہ تمہیں ایک مرتبہ احمق کے نام سے یاد کیا۔ اور ہاں۔ اُن کا لہجہ کچھ ایسا تھا جس سے یہ جھلکتا تھا کہ اُن نزدیک تمہیں راشدہ کے بیان پر انکار نہیں کرنا چاہیئے تھا۔"

"بہشت۔" اسلم نے کہا۔

"اوہ" محمود نے سلسلۂ کلام کا پھر آغاز کر دیا۔ "میرا ذاتی خیال بھی یہی ہے کہ۔ اسلم۔ تمہیں راشدہ کی بات کو نہ صرف جھٹلانا نہیں چاہیے تھا بلکہ اُس کے ساتھ تمہیں ہمدردی کرنی چاہیے تھا۔ کیا پتہ وہ سانپ کاٹ لینا اُسے۔"

وہ رک گیا کیونکہ اس کا مخاطب اپنے چہرے پر عجیب سے تاثرات لیے ہوئے تھا۔

"کچھ میری بات بھی سنو گے کہ نہیں کہ۔ میں نے اُسے تنگ کیا جھٹلایا۔ آخر کیا وجہ تھی کہ میں نے ایسا کیا۔"

"تمہارا مطلب۔"

"مطلب یہ ہے کہ وہ تمہاری فرشتہ صفت چچا زاد بہن گزشتہ دو دنوں سے میرے ساتھ کیا برتاؤ روا رکھ رہی تھی۔ اور میں نے جو ویسا کیا وہ صرف ردعمل تھا۔ اور میں نے موقعہ دیکھا اور۔۔ اور اُس سے فائدہ اٹھایا۔"

"آخر بتاؤ تو سہی کہ کیا ہوا۔"

"یعنی ہوتا کیا۔ صبح ناشتہ پر اور پھر دوپہر کے کھانے پر میں جمال خاں سے اگلے وقت کے لیے یہ بات کر رہا تھا تو اُس نے مجھے پیٹو ہونے کا طعنہ دیا۔"

"اور تم گرم ہو گئے۔ اور یہی عاشقی ہے۔ لعنت ہو تم پر۔ یہی محبت ہے تمہاری۔ تم اُسے چاہتے ہو نا۔"

"آہ - میں اُسے چاہتا نہیں ہوں - بہت چاہتا ہوں لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ میں اُس کی بیجا ناز برداری کروں"

"اسلم - میرے عزیز"

"ہم - اب میں تمہارا عزیز باقی نہیں رہا" اسلم نے جیسے کوئی انکشاف کیا

"اسلم - مجھے تعجب ہے کہ تم ایسے ہو گئے - وہ تمہاری نظام کالج کی اسپرٹ کہاں گئی"

"اور وہ راشدہ کی اسپورٹنگ اسپرٹ - وہ اُس کی معاملہ فہمی - اُس کی فرشتہ صفتی کہاں گئی - تمہیں معلوم ہے کہ اُسنے مجھے توندیل کے نام سے بھی پکارا ہے"

"واقعی!"

"ہاں - غور کرو - ذرا تندرست آدمی ہوں - کمر کا گھیرا ذرا بڑا ہے اور کچھ نہیں - خوب کھاتا ہوں - اور - اور بس اِسی پر وہ ناک بھوں چڑھاتی ہے - میرے ساتھ شادی ہو جاتی تو شاید یہ عورت مجھے بھوکوں ہی مارتی"

"ہاہ - آہ - اسلم میرے عزیز - تم جانو لڑکیاں، لڑکیاں ہوتی ہیں - جاؤ - اُس سے صلح کر لو - جاؤ"

"نہیں - اب نہیں - میں صلح نہیں کروں گا - آہ - میری خوراک - میری بھوک کے متعلق اُس نے جو رویہ اختیار کر رکھا ہے - وہ - وہ - میرے لئے ناقابل برداشت ہے"

« اوہ۔ اور وہ جو تم نے ۲ ماہ پہلے اُس کے بیگ کے متعلق سا تھا اور اُس کے بٹیر اسٹائل کے بارے میں رویہ اختیار کیا تھا۔"

« محمود - میرے دوست - وہ میری تنقید خالصتاً تعمیری نقطۂ ر سے تھی" اسلم نے صفائی پیش کرتے ہوئے کہا۔

« اوہ۔ ہوہ "

« اور اُس کا رویہ ہے کہ وہ کل رات مجھ پر طنز کرتی ہے کہ ۔ یڑھیوں پر آہستہ چڑھوں۔ ورنہ ضرورت سے زیادہ بھرے ہوئے ٹ میں آنتیں پھول جائینگی۔ پیٹ پھول کر غبارہ ہو جائے گا۔ اور ر۔ پھٹ جائے گا"

« اوہ۔ واقعی" محمود نے کہا۔

اُسے اندازہ نہیں تھا کہ صورتِ حال اس قدر نازک ہو چکی ہے سمجھتا کہ کسی وقتی واقعہ پر چلی گئی ہے اور کچھ نہیں۔

لیکن وہیں امید کی ایک کرن بھی نظر آ رہی تھی۔

اسلم نے ابھی ابھی اُس کے سامنے اعتراف کیا تھا کہ وہ راشدہ بہت شدت سے چاہتا ہے۔ اور ساتھ اُسے اس بات کا علم بھی تھا راشدہ بھی اسلم کو واقعی چاہتی ہے ۔

اور ان باتوں نے اُسے ایک نفسیاتی نکتہ سمجھا دیا بولا "اسلم سلم - اِس جھگڑے نے۔ اور واقعہ نے اُس کا دل توڑ دیا ہے"

« تم اُس سے مل چکے ہو! تمہیں کیسے معلوم ہوا ہے؟"

"نہیں ۔ میں اُس سے ملا نہیں ۔ لیکن میں جانتا ہوں ۔۔۔ وہ بہت زود رنج قسم کی لڑکی ہے ۔ اور وہ تمہیں دیوانہ وار چاہتی ہے "

"یہ تم یونہی کہہ رہے ہو یا" تیر نشانے پر لگا تھا

"میں حقیقت بیان کر رہا ہوں "

"اوہ "

"اور اگر اب تم جا کر اُس سے ملو ۔ اور ۔ اور ۔ تو بات ہو جائے گی ۔ تمہارے تعلقات پھر استوار ہو جائینگے "

"ہم ۔ تم شاید ٹھیک کہتے ہو ۔ مگر یہ وقار کا معاملہ ہے ۔ میں اسکے پاس نہیں جا سکتا ۔ محمود ۔ اور پھر میں ان لڑکیوں کو جانتا ہوں ۔ وہ اور اکڑ جائینگی ۔ البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ اُسے اشارتاً یہ بتا دیا جائے کہ میں صلح کے لئے تیار ہوں ۔" پھر اُس نے اچانک محمود کے ہاتھ تھامتے ہوئے کہا ۔ "کیا تمہارے خیال میں یہ مناسب رہے گا کہ اُس سے ملتے ہوئے میں ذرا اندر سے ٹھنڈی سانسیں بھروں "

اس کے اندر کا سویا ہوا عاشق جاگ اٹھا تھا ۔

"وہ یہ سوچے گی کہ تم ہانپ رہے ہو " محمود کے منہ سے نکل گیا

"ہت ۔ آہ ۔ پھر کیا کروں "

"ٹھہرو ۔ مجھے کچھ سوچنے دو ۔"

چند سکنڈ کی خاموشی کے بعد محمود نے سر اٹھا کر کہا جیسے وہ

مراقبہ ختم کر رہا ہوں مجھے ایک ترکیب سوجھ گئی ہے ۔"

"جلدی بتاؤ ۔"

"سنو ۔" محمود نے ابوالفرح کو دی ہوئی ہدایتیں ذہن میں دہراتے ہوئے کہا "تم رات میں کھانا بالکل مت کھاؤ صرف چکھ کر چھوڑ دو بس چپ چاپ ٹیبل پر بیٹھے رہو ۔ اور ذرا موقعہ دیکھ کر کہو کہ تمہاری طبیعت کھانا کھانے کو مطلق نہیں چاہ رہی ہے ۔ ویسے تم ایک وقت کا فاقہ تو کر لو گے نا ۔ یا پھر ۔"

"ہاو ۔ ہف ۔" اسلم پھنکارا "یہ آخر کب تم لوگوں کی سمجھ میں آئے گا کہ میں پیٹو نہیں ہوں بلکہ ایک تندرست و توانا جوان ہوں ۔ اور جتنی بھوک لگتی ہے اتنا ہی کھاتا ہوں اور ہضم بھی کرتا ہوں ۔"

"خیر ۔ خیر مان لیتے ہیں تمہاری بات ۔ تو سنو ۔ جب تم کھانا نہیں کھاؤ گے تو وہ سمجھے گی کہ تم بہت دکھی ہو ۔ اور پھر اُسکے دل میں تمہارے لئے جو محبت ہے وہ عود کر آئے گی اور پھر ۔ پھر ۔ بس ۔"

"ٹھیک ہے ۔ ٹھیک ہے لیکن ۔ لیکن جمال خاں کے ہاتھ کا بنا ہوا کھانا چھوڑ دوں ۔ اُف ۔ آہ ۔"

"ہاں ۔"

"واقعی ۔ تم یہ چاہتے ہو کہ میں ایسا کروں ۔" آواز میں التجا تھی

"ہاں ۔"

"بہت مشکل سا ہے ۔"

"تو پھر تمہاری مرضی۔ یاد رکھو کہ راشدہ۔ شہامت جنگ کی اکلوتی لڑکی ہے اُسے اور بر مل سکتے ہیں۔ لیکن تمہیں کوئی اور راشدہ جیسی نہیں مل سکتی۔"

"ہنہ۔ ففت۔" موٹا تازہ نوجوان پھنکارا۔ "ٹھیک ہے جیسا تم کہہ رہے ہو میں ویسا ہی کروں گا۔ لیکن رات بھر بھوکا رہا کیسے جائے گا۔ مجھ سے۔ ہائے۔ ہائے۔ آہ۔ بہت صبر آزما بات ہو گی۔"

"اوہ۔ بھوک کی بات۔ تم بدھو ہو۔ رات جب سب سو جائیں۔ اطمینان سے۔ بارہ۔ ایک بجے ڈائننگ ہال میں پہنچ جانا۔ نعمت خانے میں سب کچھ رکھا ہو گا اور جی بھر کے منہ چلا لینا۔" محمود نے نیک مشورہ دیا۔

"اوہ تم۔ تم واقعی جینئس (genius) ہو۔ تو پھر بات طے ہے نا۔ میں ڈنر سے بھوکا ہی اٹھ جاؤں گا۔"

"اور سمجھو کہ پالہ مار لیا۔ شاباش۔ اب مجھے چھٹی دو۔ مجھے ابوالفرح سے ملنا ہے۔"

"یہ ابوالمفرح۔ یمنکی ہاہا۔ ہا۔ پانچ سال بعد نظر آیا ہے۔ اور وہ بھی یکدم شہادت کاٹیج میں مہمان کی حیثیت سے۔"

لیکن جب اسلم نے دیکھا کہ محمود چپکے سے کھسک چکا ہے تو اُس نے جملہ نا تمام چھوڑ کر ڈکار لی اور پائیں باغ کی طرف چل نکلا

باب ۵

اُسے محمود کو۔ کاریڈور میں فیروز علی۔ شہامت کا ٹیچ کا بٹلر اعظم ملا۔ جسنے بتایا کہ راشدہ، نعیمہ اور ابوالفرح جھیل پر گئے ہوئے ہیں۔ محمود نے اُسے تاکید کی کہ وہ اب سونے کے لئے جا رہا ہے اور ڈنر کے وقت تک اُسے اٹھایا نہ جائے۔

اوپر کی منزل پر پہنچ کر جہاں اس کا کمرہ تھا۔ وہ گلیاری میں مڑتے مڑتے ٹھٹھک گیا۔

چچی بیگم بالکونی میں کھڑی ہوئی ریلنگ پر کہنی رکھے ہوئے ہتھیلی سے سر تھامے جھکی ہوئی کھڑی تھیں۔

چچی بیگم۔ محمود اُن سے لپٹتا ہوا بولا۔

"اوہ۔ تم ہو۔ محمود" وہ اُسے اپنے سے جدا کرتی ہوئی بولیں۔ "جاؤ۔ منہ ہاتھ دھو آؤ۔ جاؤ۔ میں کچھ سوچنا چاہتی ہوں"

"چچی بیگم۔ اب کیا فکر باقی رہ گئی ہے"

"لڑکے۔ ہاں۔ فکر۔ ایک ہو تو بتاؤں۔ اور پھر وہ پانچ ہزار کے

بل کی بات ۔ آج ۲۸، تاریخ ہو گئی ہے ۔“

”تو چچا جان سے کہیے نا ۔“

”کیسے کہوں ۔ کیسے انہیں اپنی جانب متوجہ کروں ۔ کیسے انہیں پتہ چلے کہ میں فکر مند ہوں ۔ اور ۔۔ وہ پوچھیں ۔ اور پھر ۔“

”بس اتنی سی بات !“ بھتیجے نے سر ہلا کر مداخلت کرتے ہوئے کہا ۔

”تم اسے اتنی سی بات کہہ رہے ہو“ ؟

”دیکھیے ۔ اگر میں آپ کو ایک ترکیب بتا دوں تو ۔“

”جلدی بتاؤ ۔ ہے کوئی ذہن میں ۔“

”ہاں ۔“ محمود نے سوچا کہ انہیں بھی ڈنر پر متفکر سے بیٹھ کر کھانے کو بس چھونے اور بھوکے اٹھ جانے کا نسخہ بتا دیا جائے ۔

۔ آپ یہ کیجیے کہ آج رات کھانے پر بغیر کچھ کھائے اٹھ جائیے ۔ یقیناً چچا جان ۔ یہ بات مارک کریں گے ۔ اور پھر آپ ۔ آپ ۔ سے پوچھیں گے کہ کیا بات ہے ۔“

”ہو ہو ۔ تو تو واقعی ہوشیار آدمی نکلا ۔ لیکن یاد رکھ اگر ترکیب کا اثر غلط ہوا تو ۔“

”محمود کی ساری اسکیمیں ۔ کامیابی کی گارنٹی کے ساتھ پیش ہوتی ہیں چچی بیگم ۔“ محمود نے اکڑ کر کہا ۔

”تو پھر آج رات میں کھانا نہ کھاؤں ۔“

"ہاں۔ لیکن۔ محمود۔ جمال خاں رات میں دم کا مرغ اور بھنی ہوئی بٹیریں تیار کر رہا ہے۔" چچی جان نے زبان ہونٹوں پر پھیرتے ہوئے کہا۔

"تو پھر روبیوں کے بارے میں ہاتھ دھو لیجیے۔"

"نہیں۔ نہیں۔ ایک کام کروں گی۔" انکا چہرہ چمک رہا تھا۔

"کیا۔"

"کچھ نہیں۔ اچھی بات ہے۔ چلو جیسا تم کہہ رہے ہو ویسا ہی کروں گی۔" چچی بیگم کے تیور کچھ بدلے ہوئے تھے۔

رات سوا آٹھ بجے وہ ڈائننگ ہال میں داخل ہوا۔

چچا جان۔ چچی بیگم۔ راشدہ۔ نعیمہ۔ ابوالفرح اور اسلم سب کے سب میز پر بیٹھ چکے تھے۔ اور اُس کا انتظار کر رہے تھے۔

ڈنر کے دوران اُس کی حسب ہدایت چچی بیگم، اسلم اور ابوالفرح بس پلیٹوں پر نظریں دوڑاتے رہے۔

"نہیں آج کچھ طبیعت نہیں چاہ رہی ہے۔"

"جی نہیں چاہ رہا ہے۔"

"آج مجھ سے کھایا نہیں جائے گا۔"

تینوں نے دوسروں کے اصرار پر معذرت خواہی کی۔

اور چچا جان نے اپنی بیگم کی پلیٹ کو دیکھا جو ایک بار کی۔

سروس کے بعد سے ہی ابھری ہوئی تھی ۔ اور ایک دو بار اصرار کے باوجود بھی انہوں نے کھانے کو ہاتھ نہیں لگایا تو کچھ متفکر سے ہو گئے ۔ اور اگر مہمان سامنے نہ ہوتے تو وہ شاید فوراً ان کی مزاج پرسی بھی کر بیٹھتے ۔

راشدہ نے البتہ بار بار اسلم کی طرف گھور کر دیکھا ۔

وہ سمجھ نہیں پائی تھی کہ یہ اسلم کی کونسی ادا ہے ۔

محمود نے دل کھول کر کھایا اور ساتھ ہی نعیمہ سے بات چیت کی جس سے وہ ۱۵ دن بعد اب مل رہا تھا ۔

اس نے ایک دو بار ابو الفرح سے بات کرنے کی کوشش کی لیکن وہ گول کر گیا ۔

بہر حال میز پر ایک سوگوارانہ سا ماحول طاری تھا اور جب ڈنر ختم ہوا تو ہر شخص نے اپنی اپنی جگہ اطمینان کی سانس لی ۔

دم کے مرغ اور بھنی ہوئی بٹیروں کی سوندھی ۔ سوندھی خوشبو چچی بیگم کو، اسلم اور ابو الفرح سمیت چیلنج کئے دے رہی تھی ۔

مگر بڑا کڑا پرہیز تھا ۔

حکیم محمود الرشید صاحب کا گارنٹیڈ نسخہ تھا اور پرہیز کی سخت تاکید تھی ۔

کھانا ختم ہونے کے بعد چچا جان "اچھا بچو شب بخیر" کہہ کر لائبریری میں چلدیئے۔ اور چچی بیگم بھی چلدیں۔

پانچوں نوجوان افراد ڈائننگ روم سے نکل کر کامن روم میں پہنچے اور ایک ٹیبل پر جم گئے۔

برج چلنے لگا۔ صرف کٹ تھروٹ۔

نعیمہ، راشدہ اور محمود کھیلنے لگے۔

دونوں عاشقوں نے مہذب انداز میں معافی چاہ لی اور کمرے سے نکل گئے۔

آدھ گھنٹہ بعد جب کہ محمود چار آنے پائنٹ سے ۳۰ پائنٹ کی جیت میں تھا۔ راشدہ نے پتے پھینک دیئے "جاؤ ہم نہیں کھیلتے" اور میز سے اٹھ گئی اور ریڈیو کھول کر بیٹھ گئی۔

نعیمہ بھی اپنی سہیلی کے پاس صوفہ پر جا بیٹھی۔

محمود نے سگریٹ سلگایا اور ٹہلتے ہوئے باہر نکلا۔

برآمدے میں اُسے ابوالفرح نظر آیا جو ایک گملے پر جھکا ہوا گلاب توڑ رہا تھا۔

"ہلو۔ علینکی" محمود نے کہا۔

"ہلو۔ علینکی" ابوالفرح نے مڑ کر اُسے دیکھتے ہوئے دہرایا۔

اُس کا چہرہ کچھ غصہ اور کچھ تاسف کے جذبات لئے ہوئے تھا وہ قطعی عاشق بامراد نہیں معلوم ہو رہا تھا۔

یعنی شہادت گنج میں ۲۴ گھنٹے اُسکے رائیگاں گزار دیئے تھے؟

"کیا مطلب؟" محمود اُس کے انداز تخاطب کو دیکھ کر چونکتے ہوئے بولا۔ "طبیعت تو ٹھیک ہے نا۔ مائی ڈیر۔"

"ہا۔ آہ۔ اف۔ لعنت ہو تم پر۔ مجھے یہاں قربانی کا بکرا بنا کر بھیجا اور اب اگر پوچھتے ہو خیریت سے تو ہو نا۔ مائی ڈیر۔"

ابوالفرح نے دانت کچکچا کر کہا۔

محمود متعجب ہو گیا کہ اسے کیا ہو گیا ہے لیکن کچھ بولا نہیں۔

"بزمت۔" وہ محمود کا چہرہ دیکھ کر بولا "محمود۔ میں۔ میں۔ آخر تم نے مجھ کو کیا سمجھ رکھا ہے۔ وہ۔ وہ جلسہ تقسیم انعامات کی صدارت۔ آخر یہ کیا معاملہ ہے۔ تم نے اپنی بلا میرے سر ڈال دی۔ لعنت ہو تم پر۔ اچھا دوستی کا ثبوت دیا۔"

"اوہ۔" محمود چونک کر بولا۔

تازہ واقعات اور تغیرات نے اس سے یہ بات بھلا دی تھی کہ ۲۴ کو اسکول کا جلسۂ تقسیم انعامات ہے اور۔ لیکن پھر بھی اُسنے جلدی سے اس پر قابو پالیا۔

پھر بولا "اوہ۔ یہ۔ یہ تو میری اسکیم کا ایک جزو ہے۔ نعیمہ پر رعب ڈالنے کے لئے اس لئے میں نے اپنا چانس تمہیں

دے دیا۔"

"تم اور تمہاری اسکیم۔" ابوالفرح نے ساتھ ہی ایک مفرح قسم کی گالی بھی دی جسے محمود نے اچھی طرح سے سنا نہیں۔

"اوہ تو تم شائد یہ سمجھتے ہو کہ میں انعامات تقسیم کرنے اور جلسے کی صدارت کرنے سے ڈر گیا۔ میں نے بڑی فراخ دلی سے تمہیں نعیمہ کو مرعوب کرنے کا موقعہ دیا۔ اور کیا۔ میں نے سوچا کہ میں صدارت کروں یا نہ کروں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اور اگر تم صدارت کرو اور نعیمہ بھی جلسے میں موجود رہے۔

واہ۔ کیا پوچھنا ہے۔ تمہارا کیس کس قدر طاقتور ہو جائیگا؟"

جواب میں ابوالفرح صرف غرا کر رہ گیا۔

"اچھی بات ہے" محمود نے چال چلنی شروع کی "تو پھر میں صدارت کرتا ہوں۔ تم نعیمہ سے ہاتھ دھو لینا۔ میں نے تمہارا کیس چھوڑ دیا۔"

ہائے۔ آہ۔ اف۔ نہیں۔ صدارت میں ہی کروں گا۔

لیکن یار کم سے کم مجھ سے پہلے ہی بتا دیا ہوتا" عشق زدہ نے صلح کن لہجہ میں کہا۔

"اونہوں۔ ہر چیز وقت پر بتائی جاتی ہے۔"

"اچھا۔ ہائے۔ آہ۔ اف۔" ابوالفرح نے ٹھنڈی سانس لی اور اُس کی آنکھوں میں جھلکتی ہوئی وحشت غائب ہونے لگی۔

چند سکنڈ کی خاموشی کے بعد نو گرفتار بلاء محبت کے کچھ اور یاد آیا۔ بولا: "وہ جو تار تم نے بھیجا تھا کل رات۔ وہ کیا تھا۔ کیا پیغام تھا یہ "خفیہ پیغام"۔"

"ہش۔ خفیہ پیغام ویغام کچھ نہیں تھا۔ سیدھا سادا تار تھا۔ میرا مطلب اس سے یہ تھا کہ تم کم کھاؤ۔ تاکہ نعیمہ کو یہ معلوم ہو جائے کہ تمہاری بھوک اڑی ہوتی ہے۔ اور پتہ ہے بھوک کب اڑتی ہے۔ جب آدمی عشق میں مبتلا ہوتا ہے۔ اور اور نعیمہ پر جب یہ حقیقت منکشف ہوگی۔ بس مزہ آجائے گا۔"

"ہو ہو ہو" سادہ دل عاشق ہنسا۔ "اور میں اسے کچھ اور سمجھا تھا۔"

"بس اب جب تمہاری اس سے ملاقات ہوگی تو وہ۔ میرے خیال میں تم سے پوچھے گی کہ تم نے کھانا کیوں نہیں کھایا اور۔"

"ہائے۔ آہ۔ ٹھہرو۔"

"ابوالفرج نقاہت آلود لہجہ میں بولا۔"

"کل رات سے میں نے مرغ اور بٹیر کو ہاتھ نہیں لگایا۔ اور تم یقین جانو۔ کل رات اور آج دوپہر ہی کچھ پکے تھے۔ اور پھر اب میں نے تمہاری حسب ہدایت کچھ نہیں کھایا ہے۔ اور اگر میں تمہاری بات پر چلتا رہا تو وہ وقت دور نہیں جب نعیمہ مجھ سے خیریت تو پوچھے گی مگر مجھ میں جواب دینے کا دم بھی باقی نہیں ہوگا۔

تم پر لعنت ہو ۔"

"ہشت ۔ علینکی ۔"

"آہ ۔ تم نے یہاں بھی علینکی کہنا نہیں چھوڑا ۔" علینکی نے پروٹسٹ کیا ۔

"اوہ ۔ آئی ایم ساری ۔ میرے دوست ۔ یہ کیا معمولی سی بات لے بیٹھے ۔ میرے نزدیک تو شہامت گنج کی روحانی فضا ۔ اور یہ ۔ درختوں کی سرسراہٹ ہی آدمی کو تازہ دم بنانے کے لئے"

"تم پر لعنت ہو ۔ مجھے بھوکا مار رہے ہو ۔ اور ۔ "

محمود نے بھی اس کی بات کاٹی اور کہا ۔ "لعنت تو تم پر ہونی چاہیئے ۔ کاہے کے عاشق ہو کر ۔"

"اف ۔ اف آگے مت کہو ۔ میں ۔ میں اپنے الفاظ واپس لے لیتا ہوں ۔ اب بتاؤ تمہاری میری والی اسکیم میں اگلا کیا پروگرام ہے میرے لئے ۔"

"ہم ۔ تو ٹھہرو ۔ بس ذرا یاد کر لوں ۔"

ایک دو منٹ بعد محمود نے ذرا بن کر کہا "آہ ۔ یاد آ گیا ۔ سنو ۔ اب میں سرگرم عمل ہو جاؤں گا ۔ مجھے نعیمہ کے دل میں نرم گوشت تلاش کرنا چاہیئے ۔ اور اسے ڈھب پر لانا ہے ۔

۔ سنو ۔ میں اب اُسے ڈھونڈ کر باغ میں لے جاؤں گا ۔ پھر اُسی سے دکھی اور مضطرب دلوں کی بات کروں گا ۔ ایسے دل جو حسیناؤں کی

خاطر تڑپتے ہیں۔ اور پھر بتاؤں گا کہ اِس گھر میں ایک ایسا دل ہے جو صرف اس کے لئے دھڑکتا ہے۔ میں اُسی سے عشق و محبت پر بحث کروں گا اور اس طرح کہ اس کا مزاج رومانی ہو جائے۔ وہ محبت کے بول سننے کو۔ چاہے جانے کو تڑپ" محمود ایک مقرر اور ساحر کے انداز میں کہے جا رہا تھا "اور تم اُسی وقت کہیں سے آنکلنا ہمارے قریب۔ ہم۔ یوں کرو کہ گھنٹہ بھر بعد جھیل کے **بوٹ** اسٹینڈ پر آجانا۔ اور پھر میں تم دونوں کو چھوڑ کر چل دوں گا۔ تم اقرار محبت کرنا اور اقرار محبت کروا لینا۔ بس"

"واقعی۔ محمود۔ میرے یار" محمد ابوالفرح نے کہا۔

"ہاں۔ اور یہ یاد رکھو کہ یہاں میری ذمہ داری ختم ہوئی"

"اچھا۔ اچھا۔ لیکن یہ تو بتاتے جاؤ کہ میں گفتگو کا آغاز کیسے کروں" سادہ لوح دیہی ماحول سے آشنا نوجوان بولا۔

"ہم۔ تو یہ بھی بتانا ہوگا۔ اچھا سنو۔ جب میں تم دونوں کو چھوڑ کر چلے جاؤں تو۔ تم خوبصورت سبزہ زاروں۔ چاندنی رات کے حسن جھیل کے چمکتے ہوئے پانی کا تذکرہ کرنا۔ پھر ٹھنڈی سانسیں بھرنی شروع کر دو۔ اور کہو کہ تم اپنی زندگی میں خلا سا پاتے تھے مگر اب۔ اب نہیں اور اُس سے تمہاری ملاقات کا تذکرہ بھی کر دو۔"

"اف۔ اف۔ بس اتنا ہی کافی ہے۔ تم زیادہ باتیں بتاؤ گے تو میں گڈمڈ ہو کر رہ جاؤں گا"

" اچھا تو اب تیار رہیں چلا " محمود نے کہا اور پھر کامن روم ی طرف مڑ گیا ۔

جب وہ کمرے میں داخل ہوا تو نعیمہ گردن کو دلفریب انداز یں خم دیتے ہوئے کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی ۔

راشدہ کمرے میں موجود نہیں تھی ۔

محمود کو یہ لڑکی اب کی بار واقعی بڑی خوبصورت لگی ۔

اور وہ اُسے دروازہ میں گھڑا گھورتا رہ گیا ۔ بالکل اُسی طرح جیسے وہ نینی تال میں اُسے تلی تال پر ۔ پہاڑوں کی چڑھائی کے دوران یں تنقیدی ۔ خالصتاً تنقیدی ۔ نقطۂ نظر سے دیکھا کرتا تھا ۔

چند سکنڈ بعد وہ کھنکارا اور بولا " ہلو ۔ نعیمہ "

" اوہ " وہ چونک کر پلٹی " آپ ۔ مسٹر محمود "

" ہاں ۔ میں ۔ کہو خیریت سے تو ہو ۔ "

" ہاں "

" آج پندرہ دن بعد نظر آئی ہو ۔ نینی تال کی یاد آ رہی ہے "

" آہ ۔ نینی تال کی کیا بات ہے ۔ اوہ ۔ وہ سہانی شامیں ۔ سلونے دن "

" آؤ ۔ باغ میں گھوم آئیں اگر تمہیں کوئی خاص کام نہیں ہے ۔

تو۔ ایسی اچھی چاندنی میں بند کمروں میں بیٹھنا۔ صریحاً بدذوقی ہے۔"

"چلئے"

اگلے منٹ دونوں باغ میں داخل ہو رہے تھے۔

جھیل کے کنارے پہنچنے تک نینی تال اور صرف نینی تال کی ہی باتیں ہوتی رہیں۔

گھاٹ کی سیڑھیوں پر بیٹھتے ہوئے سلسلہ گفتگو معطل ہوا اور محمود نے سوچا کہ اب ابوالفرح کے لئے راہ ہموار کی جائے۔

اُس نے کچھ کہنے کو منہ کھولا۔

مگر حلق سے آواز نہیں نکلی۔ اُس کی سمجھ میں ہی نہیں آ رہا تھا کہ کیسے آغاز کرے۔

وہ اپنے آپ کو کوسنے لگا کہ اُس نے بلا وجہ اس کام کا بیڑہ اٹھایا۔

سکوت کو نعیمہ نے ہی توڑا۔

بولی۔ "اوہ۔ دیکھئے۔ وہ جھیل پر چاند کا عکس اور اُس کنارے پر کے درختوں کے دلفریب سائے۔ اُف دیکھئے۔"

"ہاں۔ بہت دلفریب منظر ہے۔"

"وہ دور آسمان پر چمکتا ہوا تارا۔ اکیلا۔"

"ہاں دیکھ رہا ہوں۔"

"بے چارہ اکیلا ستارہ۔ کون جانے اُسے اپنی تنہائی کا احساس بھی ہوتا ہے کہ نہیں" رومان پرور فضاء سے متاثر لڑکی نے کہا۔

"شائد" محمود نے کہا اور پھر اُسے یکدم خیال آیا کہ لڑکی کو راستہ پر لانے کے لیے آغاز کا اچھا موقعہ ہے "سنو نعیمہ اس تارہ کو تو تنہائی کا احساس ہو یا نہ ہو۔ لیکن اِس گھر میں شہامت کاٹیج میں ایک دل البتہ ایسا ضرور ہے جو اپنی تنہائی پر آٹھ آٹھ آنسو بہایا کرتا ہے"

"ہوگا۔ ہاں۔ ویسے زندگی تو آج کل بذات خود ایک ٹریجڈی ہو گئی ہے"

"ہم۔ لیکن تمہیں پتہ ہے کہ دلوں میں درد کیوں ہوا کرتا ہے۔"

"نہیں۔ لیکن شائد۔ ٹھہرو۔ محبت کے مارے دل دکھا ہی کرتے ہیں نا"

"ہاں"

"آہ۔ بیچاری راشدہ" نعیمہ نے سمجھا کہ محمود راشدہ کی ٹریجڈی کے متعلق کہہ رہا ہے۔

"ویسے راشدہ بھی دکھی دل لئے ہوئے ہے لیکن میں راشدہ کا تذکرہ نہیں کر رہا ہوں" محمود نے جلدی سے کہا۔

"اوہ! تو پھر اسلم صاحب کا تذکرہ کر رہے ہو" نعیمہ نے نیا نکتہ پیدا کیا۔

„وہ بھی دکھی ہے۔ لیکن میں کسی اور کا تذکرہ کر رہا ہوں۔“

„اوہ۔ تو آپ چچی خالدہ کا تذکرہ کر رہے ہیں۔“

„نہیں۔ میں ایک اور ہستی کا تذکرہ کر رہا ہوں۔“

„لیکن کس کے لئے۔ کیوں دکھی ہے وہ دل۔“

„کسی حسینہ کے، مہ وش کے عشق میں رو رہا ہے۔“

„مسٹر محمود۔“ لڑکی نے احتجاج کرنا چاہا۔

لیکن محمود نے اُسے موقعہ نہیں دیا۔

„کہنے لگا۔ „تم پہلی نظر میں محبت کی قائل ہو۔ اُس نے اچانک ٹیڑھا سوال کر کے لڑکی کو بوکھلا دینا چاہا۔

مگر سادہ دل لڑکی نے سمجھا نہیں۔ اطمینان سے بولی „ہاں میں قائل ہوں۔“

„ہم۔ تو اِس دکھتے ہوئے دل کے ساتھ یہی واقعہ پیش آیا پہلی نظر میں وہ محبت میں مبتلا ہو گیا اور اُس روز سے آٹھ آٹھ آنسو رونے لگا ہے۔“

„مسٹر محمود...“ نعیمہ نے کچھ کہنا چاہا اور پھر چپ ہو گئی اور گردن پھیر کر جھیل کے کنارے پر ایک آبی پرندے کو دیکھنے لگی۔

محمود نے اپنے موقف کی مزید وضاحت ضروری سمجھی۔ آہستہ سے گمبھیر لہجہ میں بولا۔

„اور تمہارے لئے صرف تمہارے لئے روتا ہے۔ اور وہ

ہستی اُسی دن سے اِس قدر بےچین ہے۔ نہ کھانا کھانے کو جی چاہتا ہے۔ نہ نیند آتی ہے۔ اور مصیبت یہ ہے کہ وہ ۔ وہ اپنے جذبات کا اظہار تمہارے سامنے نہیں کر پاتا ہے۔ تمہاری صورت دیکھتا ہے اور عرض مدعا بھول جاتا ہے۔"

نعیمہ نے ایک سُسکاری سی بھری۔

محمود سمجھا کہ وار کارگر ہو گیا اور اُسے اب ابوالفرح کی وکالت کرنی چاہیئے۔

"نعیمہ"۔ اُس نے کہنا چاہا۔

"نہیں۔ مسٹر محمود۔ آگے مت کہیئے۔ میں۔ میں سمجھتی ہوں۔" نعیمہ نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔

اور محمود نے کچھ نہیں سمجھا۔ البتہ اُسے یہ دیکھ کر تعجب ہوا کہ وہ آنکھیں پھیرے ہوئے بات کر رہی ہے۔

چند سکنڈ سکوت طاری رہا۔

پھر وہ بولی۔ "میں سمجھتی ہوں۔ میں انجان بننے کی بےوقوفی نہیں کروں گی۔ میں سب سمجھتی ہوں۔ بلکہ۔ بلکہ بہت عرصے سے مجھے اس بارہ میں شبہ تھا۔"

محمود خوش ہونے لگا کہ اُس کی مشکل خود بخود حل ہوئی جا رہی ہے۔

"اُدھر نعیمہ کہے جا رہی تھی"۔ میں۔ میں۔ مجھے نینی تال میں ہی

اِس بات کا احساس ہونے لگا تھا کہ آپ ے

محمود کے تصور میں زلزلہ آگیا۔

وہ مصیبت میں پھنس گیا تھا۔

اور پھر مشکل یہ تھی کہ نعیمہ جیسی حسین غلط فہمی میں مبتلا تھی۔ اُس سے اُسے نکالنا بھی کارے دارد تھا۔ وہ اُس سے کیسے کہہ سکتا تھا کہ اُس کی باتوں سے اُس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ وہ خود اُس پر فدا ہے۔ اور وہ اپنی اِس نئی الجھن میں نہیں سن سکا کہ نعیمہ اور کیا کہہ رہی ہے۔

جب وہ اپنی بوکھلاہٹ سے چونکا تو اُسنے سنا نعیمہ کہہ رہی تھی۔

"۔ میں جانتی تھی۔ نینی تال میں آپ کی نظروں کے رخ کا احساس مجھے تھا۔

۔ ایک لڑکی ہمیشہ نگاہوں کے مفہوم کا مطلب سمجھتی ہے اور اب آپ اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے ہوئے بہک جاتے ہیں دراصل بات سے ہٹ جاتے ہیں۔ آپ کی بات میرے لیے کچھ تعجب خیز ہے۔ لیکن میں ۔ میں ۔ مجھے افسوس ہے کہ ۔"

محمود کے دل نے پھر سنبھالا لیا اور وہ سر اٹھائے ہوئے لڑکی کو دیکھنے لگا۔

وہ تمتمائے چہرے کو لئے دور جھیل میں کہیں نیم تاریکی میں

جھانکتی ہوئی خواب آلود لہجے میں کہہ رہی تھی۔ "مجھے افسوس ہے۔ واقعی افسوس ہے کہ میں آپ کے احساسات کی قدر نہیں کر سکتی۔ میں آپ کے جذبہ کا جواب نہیں دے سکتی۔ ناممکن ہے۔"

چند لمحے دونوں چپ رہے۔ اِس کے بعد نعیمہ نے پھر کہنا شروع کیا۔ "قطعی ناممکن ہے۔ مسٹر محمود۔ بات۔ بات یہ ہے کہ۔ میں بہت شرمندہ ہوں کہ آپ کو مایوس کر رہی ہوں۔ مگر بات یہ ہے کہ میں۔ میں۔" پھر وہ چپ ہو گئی۔

"اوہ۔ کوئی بات نہیں۔" محمود نے جلدی سے کہا۔ مصیبت ٹل جو رہی تھی۔

"بات۔ بات یہ ہے مسٹر محمود۔ میں آپ پر اعتماد کر سکتی ہوں آپ ہم دوست ہیں نا۔"

"ہاں۔ ہاں۔"

"آپ نے میرے انکار کا برا تو نہیں مانا۔"

"نہیں۔"

"اوہ۔ محمود۔ آئی ایم ساری۔۔۔"

نہیں۔ نہیں تم۔ مجھے صرف محمود ہی کہہ سکتی ہو۔"

"اوہ۔ تم واقعی اس قدر اچھے آدمی ہو کہ۔ ہاہ۔ بات بات یہ ہے کہ میں۔ میں۔ کسی اور کو چاہتی ہوں۔" نعیمہ نے جلدی سے کہا اور گردن جھکا کر پلٹ کر بیٹھ گئی۔

"اوہ ۔ یہ بات ہے ۔ ہو ہو ۔ ہو" محمود ہنسا ۔ لیکن اُس کا دل بیٹھا جا رہا تھا ۔

وہ سوچ رہا تھا کہ ابوالفرح کا کیس ختم ہو گیا ۔

"ہاں ۔ اور بڑی عجیب بات ہے کہ" لڑکی نے اُس کی ہنسی سے حوصلہ پا کر کہا "میں ۔ میں ۔ وہ ۔ میری کوئی پروا نہیں کرتا ہے ۔ شائد اُسے پتہ بھی نہیں ہوگا ۔"

"اوہ ۔ واقعی ۔"

"ہاں ۔ اور ۔ اور ابھی آپ نے جو پوچھا تھا کہ میں کیا پہلی نظر میں محبت کی قائل ہوں ۔ اور میں نے اثبات میں جواب دیا تھا اس کی وجہ یہ ہے کہ میں خود پہلی نظر میں اُس کا شکار ہو گئی ۔ گزشتہ ہفتہ میں اُسی سے ملی ۔ میری کار رمیش نگر جاتے ہوئے خراب ہو گئی تھی ۔ اور وہ مجھے سرینڈر پور کے قریب سے رمیش نگر تک اپنی کار میں لے گیا ۔ اور میں بس اُسے دل دے بیٹھی ۔"

"اوہو ۔ یہ ۔ یہ بات ہے" محمود نے نعرہ لگایا ۔ دوست کی بگڑتی ہوئی قسمت بن رہی تھی ۔

"ہاں" نعیمہ نے کہا اور گردن جھکا کر ناخن چبانے لگی ۔

محمود کچھ اور کہنا چاہتا تھا کہ کسی کے قدموں کی چاپ سنائی دی ۔

اس نے مڑ کر دیکھا ۔

ابوالفرح آ رہا تھا ۔

محمود نے ایک سکنڈ کے لئے کچھ سوچا اور پھر مسکراتے ہوئے دبے پاؤں اٹھ کر چل دیا۔

عینکی کے بازو سے گزرتے ہوئے اُس نے اُس کا کندھا تھپتھپایا اور اشارہ کیا کہ وہ ۔ وہ نعیمہ بیٹھی ہے۔

ابوالفرح نے سر ہلایا۔ اور آگے بڑھ گیا۔

باب ٦

محمود بہت خوش تھا کہ چلو ایک مرحلہ تو طے ہو گیا۔ اب وہ اپنی ساری توجہ اور توانائی اسلم اور راشدہ کے معاملہ کی طرف گھما سکتا ہے۔

پھر اُسے خیال آیا کہ اُس تعلق سے بھی اُسنے ابتدائی منزل تو طے ہی کرلی ہے۔ اسلم سے فاقہ کروا کر راشدہ پر اثر ڈالنے میں قریب قریب کامیابی حاصل کرلی ہے۔

"لیکن نہیں،" اُس کے دل نے کہا۔

راشدہ بہت ضدی لڑکی تھی اور اور صلح کے لئے اُس کے جانے سے پہلے قریب قریب ناممکنات میں سے تھی۔

۱۰ ½ بجے اس نے اوولٹین کا پیالہ پیا اور بستر پر لیٹ گیا۔ لیکن نیند کوسوں دور تھی۔

راشدہ اور اسلم کا جھگڑا اُس کے اعصاب پر سلگ گیا تھا اور اُسے ان میں مکمل صلح کرانے کی کوئی موثر ترکیب نہیں سوجھ رہی

تھی ۔

موثر ترکیب یعنی گارنٹیڈ ترکیب ۔

سوچتے سوچتے اُسے یاد آیا کہ اگر یہاں کاک ٹیل کا انتظام ہو جائے تو دماغ پوری توانائی سے کام کرنے لگے گا اور وہ سیکنڈوں میں کوئی نہ کوئی صد فی صد گارنٹی کی ترکیب ڈھونڈھ نکال لے گا ۔ لیکن انتظام ناممکن تھا ۔

اسی ادھیڑ بن میں کوئی دو ۲ گھنٹے گزر گئے ۔

اور وہ راشدہ اور اسلم کو دماغ سے نکال کر ابوالفرح اور نعیمہ کے متعلق خوش آئند باتیں سوچتے ہوئے اور اپنی کامیابی پر مسکراتے ہوئے کروٹ لے کر سونا ہی چاہتا تھا کہ کوئی اُس کے دروازے کو پیٹنے لگا ۔

”کون ہے ۔ دروازہ کھلا ہے ۔“ اُس نے بڈلیمپ آن کرتے ہوئے کہا ۔

”میں ہوں ۔ اسلم ۔“ دروازہ کھلا اور اسلم ڈرتا ہوا اندر داخل ہوا ۔

”تم ہو ۔ مگر اتنی رات گئے ۔“ محمود نے اُس کے چہرے پر طیش کی سرخی دیکھ لی تھی ۔

اور یہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا ۔

"ہاں - میں ہوں - فف فف" اور اس نے آگے بڑھ کر محمود کو شانوں سے پکڑ لیا ۔

محمود نے چاہا کہ اپنے آپ کو چھڑا لے پھر سوچا کہ اس طرح کرنے سے اسلم کا غصہ اور بڑھ جائیگا ۔

تم تم - محمود دی اسکیمر" اسلم ہانپتا ہوا پھنکاری مارتا ہوا بولا "فف فف - تم - تم - بدمعاش ہو"

"اسلم میرے عزیز - آخر کیا ہوا" محمود نے اپنے مخاطب کے کندھوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے بڑی میٹھی آواز میں کہا ۔

"اسلم میرے عزیز" اسلم نے بالکل عورتوں کے انداز میں طنزیہ لہجہ میں دہرایا "فف - فف - سب کچھ چوپٹ کرادیا ۔

— میری بے عزتی کرادی اور ---"

"آخر ہوا کیا"

"تمہارا سر ہوا"

"آہا - ہاہ - اسلم - تم ذرا اطمینان سے بیٹھ جاؤ ۔ اور غصہ تھوک دو - اسکے بعد باتیں ہوں گی"

"میں باتیں کرنے نہیں آیا ہوں - تمہیں مزہ چکھانے آیا ہوں"

ہو ہو - تو یہ بات ہے - مگر آرام تو لے لو - ذرا دم - لے لو - میں بھاگا تھوڑی ہی جا رہا ہوں" محمود نے ڈپلومیسی سے کام لیا ۔

"فف - فف -" اسلم نے کہا اور بستر ے پر بیٹھ کر جیب سے رومال نکال کر پسینہ پونچھنے لگا۔"

محمود نے لپک کر صراحی سے پانی انڈیل کر اسلم کو گلاس دیا۔

اسلم نے ۲، ۳ گھونٹ لئے۔ پیشانی سے پھر پسینہ پونچھا اور بولا

"شکریہ - ار - ار - فف - فف - تم اب تک کیوں جاگ رہے تھے؟"

"کیوں کیا جاگنے پر پابندی ہے؟"

"نہیں - لیکن - ہائے - ہائے - تم - تم - بدمعاش ہو"

"آخر بتاؤ گے بھی یا یونہی بکے جاؤ گے؟"

"تو میں نے تمہارا قصور نہیں بتایا" اسلم نے سادگی سے کہا۔

"اونہہ - نہیں"

"فف - فف سنو - یہ کہاں کی شرافت ہے تمہاری کہ

.... شام میں کہا کہ میں رات کا کھانا نہ کھاؤں - اور - اور - ۱۲ بجے رات میں ڈرائنگ ہال میں گھس کر بھوک مٹا لوں۔ سب سے چھپکر۔

- اور - اور - میرے اس پروگرام کی اطلاع تم نے راشدہ کو اور چچا جان کو اور خالہ بیگم کو دیدی - فف - فف - تم بہت بدمعاش ہو - بہت بڑے"

"اوہ - یہ بات ہوئی۔ تو تم پکڑے گئے" محمود نے مزہ لیتے ہوئے کہا۔

"ہاں - عین اسوقت - ہائے - ہائے - ظلم ہے جگہ میں دم کے

مرغ کو ہانڈی میں سے پلیٹ میں رکھ کر اُس کی ٹانگ توڑ رہا تھا ۔ راشدہ اندر خالو جان آگئے ۔ نفت ۔ ففت ۔ بے عزتی کی بے عزتی ہو گئی اور مجھے بھوکا الگ اٹھنا پڑا ۔ جانتے ہو کیا ہوا؟"

"نہیں ۔"

"راشدہ نے ۔ راشدہ کی بچی نے خالو جان سے کہا کہ ۔ اوہ ابو ۔ اب آپ کو یقین آیا نا ۔ یہ حضرت دن میں تین بار کھاتے ہیں اور رات میں دو بار ۔ آدمی ہے کہ جنات ۔"

"تو تم نے کیا کہا؟" جواب میں ۔

"میں ۔ میں ۔ کیا بولتا ۔ چور کی طرح چپکا کھڑا رہا ۔"

"پھر ۔ پھر ۔"

"پھر ۔ پھر ۔ راشدہ نے نعمت خانے میں جھانک کر دیکھا اور بولی اُفوہ ۔ ابو ۔ رات تین مرغ میں نے رکھے تھے ۔ اور اب ایک ہی بچ گیا ہے ۔ اور اگر ہم ذرا دیر سے آتے تو یہ بھی دوزخ میں اتر جاتا اور صبح آپ کو کچھ نہیں ملتا ۔"

محمود کو یاد آیا کہ چچا جان نے صبح کے لئے ایک دم ہوئے مرغ کو اپنے لئے محفوظ رکھنے کی تاکید کی تھی ۔

"اسکے بعد؟" اُس نے سوال کیا ۔

"اسکے بعد ۔ خالو جان نے ایک لکچر جھاڑ دیا ۔ اتنے میں چچی جان آگئیں ۔

اور پھر تینوں نے مل کر مجھے خوب لتاڑا۔ فف۔ فف۔ یہ سب تمہاری بدولت ہوا۔

"قسم لے لو جو میں نے کسی سے کچھ کہا بھی ہو" محمود نے صفائی پیش کی۔ "آخر تم نے مجھے سمجھا کیا ہے"

"ہائے۔ ہائے۔ فف۔ فف" اسلم غرایا "تو پھر خالو جان اور راشدہ کو کیسے معلوم ہوا۔ خالو جان کے ہاتھ میں تو ٹارچ بھی تھی اور۔ اور۔"

"اوہ۔ تو پھر۔ میرے خیال میں تم نے دروازے وغیرہ کھولنے میں بے احتیاطی برتی ہو گی۔ آواز ہوئی۔ اور وہ کھٹ پٹ سے اٹھ گئے اور دریافت حال کے لئے چلے آئے"

"مگر راشدہ" اور پھر دونوں اس وقت تک کیوں جاگ رہے تھے۔" اور پھر خالہ بیگم"

"تم بدھو ہو۔ بالکل بدھو۔ ارے تمہیں پتہ ہے۔ تمہاری اور راشدہ کی منگنی ٹوٹ جانے سے چچا جان اور چچی بیگم کو کتنی پریشانی ہے۔ اور پھر۔ تم نے دیکھا ہو گا کہ رات چچی بیگم نے کھانا چھوا تک نہیں"

"ہاں۔ آں" اسلم کو یاد آیا۔

"تو پھر پریشانی میں آدمی کو نیند کہاں سے آتی ہے۔ اب رہی راشدہ۔ تو تمہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ رات تم نے جو کھانا نہیں کھایا تھا۔ وہ اس کی وجہ سے فکر مند ہو گئی تھی"

"اوہو۔ تو یہ بات تھی۔ مگر۔ مگر۔ فف۔ فف۔ اب تو سب کام بالکل چوپٹ ہو گیا۔"

"گھبراؤ مت۔ جب تک محمود سلامت ہے۔ تمہیں کوئی فکر نہیں ہونی چاہیئے۔" محمود نے اُسے تسلی دی۔

یوں اُسے احساس تھا کہ معاملہ واقعی چوپٹ ہو گیا ہے۔ لیکن بہر حال اُسے اسلم کو سنبھالنا تھا۔

"فف۔۔ فف۔ فکر نہیں ہونی چاہیئے۔ ہائے۔ ہائے۔۔ بے عزتی الگ ہوئی۔ بھوکا الگ رہنا پڑ رہا ہے۔ اور پھر راشدہ۔ راشدہ تو میرے رات کے طرزِ عمل کے متعلق بھانپ گئی ہو گی کہ۔"

"نہیں۔ وہ اتنی چالاک تھوڑی ہی تھی۔" محمود نے کہا۔

یہ اور بات تھی کہ راشدہ اچھے اچھوں کے کان کاٹتی تھی۔

"فف۔ فف۔ ہائے۔ ہائے۔" اسلم نے سر جھکا لیا۔ اور ہاتھ پاؤں ڈھیلے ڈال دیئے۔

"محمود گھبرا کر بولا۔ "کیا ہوا!"

"بھوک۔ بھوک سے دم نکل۔ رہا ہے۔" اسلم نے رک رک کر کہا۔

محمود نے بمشکل تمام اپنی ہنسی ضبط کی اور اُسے اطمینان دلاتا ہوا بولا۔ "تم یہیں بیٹھے رہو۔ بس تمہارے لئے کچھ نہ کچھ لے ہی آؤں گا پیچھے سے۔"

"کچھ سے کام نہیں بنے گا۔ ذرا زیادہ لے آنا۔" اسلم نے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا۔

اور پھر "اف۔ نف۔ ہائے۔ ہائے" کرتا ہوا بستر پر لمبا ہو گیا۔

محمود نے کمرہ سے نکل کر اِدھر اُدھر دیکھا۔ کاریڈور میں سناٹا تھا یعنی چچا جان۔ راشدہ وغیرہ واپس اپنے کمروں میں جا چکے تھے نیچے اتر کر۔ دبے پاؤں چلتے ہوئے۔ اُس نے آہستہ سے اِدھر اُدھر دیکھ کر ڈائنگ روم کا دروازہ کھولا۔

اور اندر داخل ہو کر اُس نے دروازہ بند کیا اور بجلی کا کھٹکا دبایا

"ارے تم۔" کسی نے ہلکی سی چیخ ماری۔

اُس نے پلٹ کر دیکھا چچی بیگم ہاتھ میں پلیٹ لئے ہوئے دروازے کے بازو دبکی ہوئی کھڑی تھیں۔

"اوہ آپ۔" اُس نے کہا اور اُن کے چہرے پر خجالت کے آثار دیکھ کر بولا۔ "مائی ڈیر چچی بیگم۔ میں ہوں۔ میں آپ کا سعادت مند بھتیجہ۔ بسم اللہ۔ تکلف مت کیجئے۔"

"تو۔ یہاں کیا کر رہا ہے۔" چچی بیگم جھینپ مٹانے کو غصہ میں آگئیں۔

"اسلم کے لئے کھانے کو کچھ لے جا رہا ہوں۔" اور اُس نے انہیں نہیں بتایا کہ کس طرح اُس نے اُن کے علاوہ اسلم اور ابوالفرح سے

بھوکا اٹھ جانے کو کہا تھا اور بولا۔

"اور۔ آپ تو۔ ظاہر ہے کہ پیٹ پوجا کے لئے آئی تھیں یہاں۔"

"ہاں۔ لڑکے۔ بھوکا رہا نہیں گیا اور پھر دم کا مرغ۔"

وہ چٹخارے لیتی ہوئی بولیں "سن کسی سے کہنا نہیں۔ میں تیرے جیب خرچ میں کچھ اضافہ کر دوں گی۔"

"کتنے کا۔" محمود نے اشتیاق سے پوچھا۔

"پندرہ روپے کا۔"

"نہیں پچیس کا اضافہ چاہیئے۔"

دو تین منٹ کی حجت بعد ۵۰ روپے پر تصفیہ ہو گیا۔

اور اس کے بعد چچی بیگم اس کے مشورہ پر چھوٹی سی ٹرے میں آدھا مرغ۔ نعمت خانے میں ایک نہیں تین مرغ رکھے تھے۔ راشدہ نے اسلم کو پریشان کرنے کے لئے ایک کی اڑا لی تھی۔ اور ۲ پراٹھے اور کچھ دوسرے سالن لے کر اوپر اپنے کمرے کو چلدیں۔

محمود نے ڈیڑھ مرغ۔ ۳، ۴ بٹیریں اور ۵، ۶ پراٹھے اور شیرمال اور دوسری چیزیں بڑی سی ٹرے میں جمالیں۔ اور ڈرائنگ روم کی بجلی بند کر کے اپنے کمرے میں چلا آیا۔

"ہائے۔ ہائے۔ فف۔ فف۔ تم نے جی خوش کر دیا۔ تم۔ واقعی دوست ہو؟" اسلم بستر پر سے لپکتا ہوا بولا۔ اس نے ٹرے میں کی چیزیں دیکھ لیں تھیں۔

آدھ گھنٹہ بعد جب اسلم اپنا پیٹ ٹھونس ٹھونس کر بھر چکا محمود نے اُسے سمجھایا کہ اُس نے اپنی اسکیم میں تبدیلی کر دی ہے ور اُسے ۔ اسلم کو ۔ سب سے پہلا کام صبح بس یہ کرنا ہے کہ خوب جی ر کر کھائے ۔ اور ۔ اور اگر راشدہ چھیڑنا چاہے تو قطعی اُس کی نب توجہ نہ دے ۔

"بہت اچھا ۔ بہت اچھا" اسلم نے سر ہلایا اور پھر توند پر ہاتھ یرتا ہوا ڈکاریں لیتا ہوا اپنے کمرے کو چلا گیا ۔

باب ۷

صبح جب محمود اٹھا تو ساڑھے چھ بج رہے تھے۔

وہ خود سے نہیں اٹھا تھا۔ اٹھایا گیا تھا۔

حوائج ضروری سے فارغ ہو کر وہ نیچے اترا۔ اور برآمدے میں چچی بیگم سے اُس کا آمنا سامنا ہو گیا۔

"صبح بخیر چچی بیگم۔" اُس نے اپنی چچی سے کہا جو گملوں کی دیکھ بھال سی کر رہی تھیں۔

"تم۔ تم۔" وہ پلٹیں۔

اُن کا چہرہ فرطِ طیش سے سرخ ہو گیا تھا۔

"آہ چچی بیگم۔ آپ آپ غصہ میں ہیں۔ کیا ہوا۔ کس پر ناراض ہیں آپ۔ کچھ چچا جان نے"

"گدھے۔ پاجی۔ ہٹ جا میری نظروں کے سامنے سے" وہ تیز آواز میں بولیں۔

"چچی بیگم۔" محمود لڑکھڑا کر پیچھے ہٹتا ہوا بولا۔

"ٹھہرو۔ جانے کہاں ہو۔ تم۔ تمہاری اسکیمیں۔ خدا غارت

کرے۔ تم نے میری لٹیا ڈبو دی۔"

"آخر ہوا کیا۔ پیاری چچی بیگم؟"

"خبردار جو پیاری چچی بیگم کہا۔ ہوا کیا۔ ایسے پوچھ رہے ہو جیسے کچھ پتہ ہی نہیں؟"

"آخر کچھ بتائیے۔ آپ کے سر عزیز کی قسم مجھے پتہ نہیں۔" محمود نے ملتجیانہ انداز میں کہا۔

"لڑکے۔ تو نے رات مجھے، اسلم اور ابوالفرح کو کس لیے کھانے سے ہاتھ روک لینے کو کہا تھا؟"

"جی۔ وہ تو الگ الگ اسکیموں کے تحت کہا تھا۔ تین سکیموں کے تحت پروگرام بنائے تھے۔" محمود نے اکڑ کر کہا۔

"ہم تو۔ مجھے چکر دے رہا ہے۔ سچ بتا۔ کب سے تیرے ذہن ں یہ بات تھی کہ جمال خاں کو یہاں سے بھگا دیا جائے۔"

"جمال خاں؟" محمود کچھ نہ سمجھتے ہوئے بولا۔

"ہاں۔ اور کیا۔ رات ہم لوگوں نے کھانا نہیں چھوا۔ تینوں نے۔ اور جمال خاں کا موڈ بگڑ گیا۔ کہتا ہے کہ اتنی محنت سے کھانا تیار کیا اور کسی نے چھوا تک نہیں۔ میری توہین ہوئی ہے میرے فن کی۔ میں یہاں نہیں رہ سکتا، اور وہ نوکری چھوڑ کر رہا ہے۔"

"واقعی؟" محمود کو یقین نہیں آیا۔

"ہاں۔ اُس نے تمہارے چچا جان کو علی الصبح آ کر بتا دیا کہ وہ نوکری چھوڑ رہا ہے اور شام تک سامان لے کر چلا جائیگا۔

۔ اور۔ اور اُس نے ناشتہ بنانے سے انکار کر دیا۔"

"اف۔ پھر کیا ہوگا" جمال خاں کے رہتے ہوئے کسی اور کے بنائے ہوئے کھانے کے تصور سے محمود کانپ کر بولا۔

"کیا ہوگا تیرا سر۔ تمہارے چچا کا موڈ سخت خراب ہے اپنی لائبریری میں بند ہو کر بیٹھ گئے ہیں۔ ہائے میرے پانچ ہزار روپئے گئے۔ اور۔ اور اُن کا موڈ۔ کیسے درست ہوگا۔ اور پھر ان کی صحت کیسے ٹھیک رہے گی۔ جمال خاں کے علاوہ کسی کے ہاتھ کا کھانا انہیں پسند نہیں آسکتا۔ لڑکے یہ سب کچھ تیرا کیا ہوا ہے۔"

محمود نے الزام کے تازہ ہونے پر ٹھنڈی سانس بھری اور پھر اُس نے دلگرفتہ لہجہ میں انہیں سمجھانا شروع کیا کہ رات اُس نے فاقہ کرنے کے لئے جو اسلم اور ابوالفرح سے کہا تھا اُس سے اُس کا کیا مقصد تھا۔

چچی بیگم نے سنا۔ قسمیں لیں انہیں تب کہیں جا کر یقین آیا کہ وہ سچ کہہ رہا ہے۔

اور آخر میں بولیں یابا۔ اب اسکیم بازی چھوڑ دے نہ جانے کس کس کی لٹیا ڈبو کر چھوڑے گا تو۔"

"چہ۔ چہ۔ چچی بیگم آخر آپ نے سمجھا کیا ہے۔ اوہ اوہ۔ آپ یقین کیجیے کہ میں پہلی تاریخ تک آپ کو چیک۔ پانچ ہزار کا چیک دلا کر ہی چھوڑوں گا۔ آپ سب معاملے میرے ہاتھوں میں سونپ دیجیے۔"

ہاء۔ ہا۔ اچھا دیکھوں گی کہ تو کیا کرتا ہے۔

مگر۔ مگر۔ اف۔ وہ۔ وہ راشدہ اور اسلم کا معاملہ۔ تینے وہ تو بالکل حساب بگاڑ دیا۔ "رات اسلم پکڑا گیا۔ تجھے پتہ ہے۔"

"ہے۔ لیکن ابھی کچھ نہیں بگڑا ہے۔ آپ یقین کیجیے۔ میں ایک ایسی چال چل رہا ہوں۔" محمود نے یوں ہی اکڑ کر کہا "آپ یقین کیجیے کہ شام تک راشدہ اور اسلم میں صلح ہو جائیگی

"ہم۔ لڑکے۔ راشدہ ناشتہ کے بعد شہر جا رہی ہے اور رات تک لوٹ آئیں گی پھر تیری شام۔

"کوئی بات نہیں۔ تو پھر کل دوپہر تک سب کام بنا دوں گا۔ آپ مجھ پر بھروسہ تو کیجیے۔" محمود نے کہا اور بڑی شان سے اُن کا کندھا تھپتھپاتا ہوا۔ "پھر مجھے دیدہ تر یاد آیا" گنگناتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

گھنٹہ بھر بعد ناشتہ کی میز پر سب لوگ جمع ہوئے۔ اور بس ناشتہ زہر مار کر کے اٹھے کھا کر نہیں۔ کیونکہ کھچڑی میں داغ

لگ چکا تھا۔ انڈے ہاف بوائل کے بجائے جل سے گئے تھے۔ آملیٹ کے بجائے آملیٹ کا کھرچن سا میز پر تھا۔ تو بس اِس طرح سے کٹے ہوئے تھے جیسے قصاب نے گاروٹی کاٹی تھی۔ بادام کی چٹنی مونگ پھلی کا ذائقہ دے رہی تھی۔ دہی کی کڑی کا ذائقہ۔ دہی کی کڑی کے سوا اور کسی بھی چیز کا ہو سکتا تھا۔ بس صرف مکھن اچھا اور جیلی ٹھیک تھی۔

ناشتہ کسی خادمہ نے بنایا تھا۔

ناشتہ کے دوران اور ناشتہ کے بعد بھی چچا جان ٹھنڈی سانسیں بھرتے رہے۔ انہوں نے کچھ نہیں کھایا تھا۔ اور اسلم اور ابوالفرح کو اور اپنی بیوی کو کڑی نظروں سے دیکھتے رہے۔ فضاء میں ہلکی سی کشیدگی سی تھی۔

اور جب ناشتہ ختم ہوا تو سب کے سب چپکے سے کمرے کے باہر نکل گئے۔

ناشتہ کے فوراً بعد راشدہ نعیمہ کو ساتھ لئے ہوئے شہر چلی گئی۔

۔ چچا جان لائبریری کی سمت روانہ ہو گئے۔

چچی جان جمال خاں کو سمجھانے اور منانے کے لئے اسکے کوارٹر

کی طرف چلدیں ۔

تینوں نوجوان لڑکے کامن روم میں چند منٹ تک سگریٹ پیتے رہے اور چپ چاپ ایک دوسرے کو دیکھتے رہے ۔

پھر اسلم نے محمود اور ابوالفرح سے معافی چاہی اور کھانا ہضم کرنے کے لئے ٹہلنے کے لئے باغ میں چلا گیا ۔

اسلم کے جانے کے بعد ابوالفرح نے ایک دو منٹ محمود کو دیکھا اور پھر گردن جھکا کر ٹھنڈی سانسیں بھرنے لگا ۔

اور محمود کچھ پریشان سا ہو گیا ۔

رات ابوالفرح کے چہرے پر جو تازگی تھی ۔ وہ اب مفقود تھی ۔ چہرے پر ویرانی سی طاری تھی ۔ اور اِس کی بدولت ہونق پن بڑھ گیا تھا ۔

محمود اپنے صوفہ سے اٹھ کر ابوالفرح کے قریب آ کھڑا ہوا اور بولا " کیا ہوا ہے ۔ عینکی ۔ مائی ڈیر ۔ یوں اداسی کیوں ہو ؟"

" اداس ۔ اُداس کون ہے ؟" عینکی نے کہا اور ساتھ ہی اسکی آنکھ سے آنسو ٹپک پڑے ۔

محمود کا دل پسیج گیا ۔

اپنی نظریں پھیرتے ہوئے اُسنے کہا " مائی ڈیر بوائے ۔ آخر معاملہ کیا ہے ؟"

"کچھ نہیں۔" ابوالفرح نے عینک اتار کر اپنے کرتے کے دامن سے آنسو پوچھتے ہوئے جواب دیا۔

"آخر ہوا کیا؟"

"کچھ نہیں۔ لعنت ہے۔ اف۔"

"کس پر؟" محمود کی شوخی نے اُس سے کہلوایا۔

اور شکر ہے کہ ابوالفرح سمجھا نہیں۔

"اپنے پر۔ ہائے۔ آہ۔ یار کیا کہوں۔ جی چاہتا ہے۔ خودکشی کر لوں۔ اف۔"

"کچھ بتاؤ گے بھی یار۔ کیا نعیمہ سے۔۔"

"ہائے۔ اف۔ اب نام نہ لو اُس کا۔ دل پر چھری چل جاتی ہے"۔

"محمود میرے یار۔ سب قصہ ختم ہو گیا۔ سب ختم" ابوالفرح رو دینے کے انداز میں بولا۔

محمود نے جواب میں اُس کے کندھے تھپ تھپائے۔

"شاید اِس سے ابوالفرح کو سکون ملا۔ وہ دھیمے لیکن پر از استقلال لہجے میں کہنے لگا۔ "رات۔ تم نے میرے لئے میدان ہموار کر دیا تھا۔

اور میں نے سمجھا کہ بس اب اعتراف محبت کروں گا۔ اور اقرار محبت کروا لوں گا۔ مگر سب گول مال ہو گیا۔ گڑبڑ ہو گئی۔ اف"

"آخر ہوا کیا؟"

"ہوتا کیا۔ تم پر لعنت ہو۔ سب تمہاری وجہ سے ہوا۔"

"میری وجہ سے" محمود حیران ہو کر بولا۔

"ہاں۔ اف۔ تم نے گفتگو کے آغاز کے متعلق اتنی باتیں بتائیں کہ یہ پہلے کہو پھر یہ۔ پھر وہ۔ اور اور سب میرے ذہن میں گڈ مڈ ہو کر رہ گئیں۔ میری سمجھ میں نہیں آیا کہ پہلے کیا کہوں بعد میں کیا۔ اور چند باتیں میں بھول گیا۔

"پھر ۔۔۔"

پھر میں نے چپ رہنے سے بہتر سمجھا کہ کسی نہ کسی موضوع کو چھیڑ دوں۔ اور میں نے ٹماٹے اور دوسری سبزیوں اور پھلوں میں فرق کے متعلق گفتگو چھیڑ دی۔"

"لعنت ہو" محمود کے منہ سے نکلا۔

"کس پر" ابوالفرح بوکھلا کر بولا۔

"کسی پر نہیں۔ ہاں آگے بتاؤ۔

"وہ ہاں ہوں کرتی رہی پھر اس نے بےچینی سے پہلو بدلا جیسے موضوع ناپسند ہو۔ خواب آلود آنکھوں سے میری طرف دیکھا۔ ایک انگڑائی لی۔ اور میرے جی میں آیا کہ سینے سے چمٹا لوں۔ اور کہوں کہ اے جان تمنا۔ اے میرے پری وش حسینہ۔ اے کہ تو۔۔۔۔۔۔"

"اور تم نے اسے سینے سے چمٹا لیا" محمود بڑبڑا کر بولا۔

"نہیں۔ یہی تو افسوس ہے۔ مجھے ہمت نہیں پڑی۔ پھر میں نے چاہا کہ اُسکے حنائی ہاتھ تھام لوں۔ مگر یہ بھی نہیں ہو سکا۔ پھر میں نے کوشش کی کہوں۔ نعیمہ۔ آج تم بہت حسین لگ رہی ہو۔ مگر حلق سے آواز نہیں نکلی۔ ہائے۔ آہ۔ اف۔"

"پھر کیا ہوا؟" محمود نے پر اشتیاق لہجہ میں کہا۔

"پھر مجھے تمہاری ہدایتیں یاد آگئیں۔ میں نے چاہا کہ موسم کے سہانے پن۔ چاندنی کے حسن کا تذکرہ کر دوں اور۔ اور۔ مگر اب بھی میرے حلق سے آواز نہیں نکلی۔ حلق خشک ہو گیا تھا۔

۔ اور مجھے پسینہ آنے لگا۔ میں بھوندو کی طرح بس اُسے گھورتا رہ گیا۔ پانچ دس منٹ اُسنے صبر کیا۔ میری طرف دیکھتی اور ٹھنڈی سانس بھرتی رہی اور جھیل میں دیکھنے لگی۔ اندازہ ۱۰ منٹ کی خاموشی کے بعد وہ یکدم اٹھ کر چل دی۔ میرے شیشہ دل کو چور کر کے چلدی۔ ہائے۔ اف۔ لعنت ہو۔ اب میں۔ میں کیا کروں تم ہی بتاؤ۔ کیا کروں۔ میرے یار؟"

ابوالفرح کے لہجے سے محمود دل مسوس کر رہ گیا لیکن فوری طور پر کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ بولا "صبر کرو۔ صبر۔ سب ٹھیک ہو جائیگا۔"

"ہائے۔ اف۔ لعنت ہو تم پر۔ اب بھی صبر کی تلقین کر رہے ہو۔ نہیں۔ میں تمہاری بات نہیں مانوں گا۔" ابوالفرح گرم لہجے میں بولا

"پھر کیا کرو گے؟"

"من مانی کروں گا۔"

"آخر کچھ تو پتہ چلے کہ تم۔۔۔"

"اف۔ اچھا یاد دلایا تم نے۔ ورنہ شائد کسی کو پتہ بھی نہ چلے گا۔

سنو۔ میں جھیل میں ڈوبنے جا رہا ہوں۔ ابھی۔ ایسی زندگی سے تو موت بہتر" اور جملہ نا تمام چھوڑ کر عاشق دلگیر و حرماں نصیب اٹھ کھڑا ہوا۔

محمود نے لپک کر اُسے شانوں سے پکڑ لیا اور صوفہ پر زبردستی ہوئے بلکہ اُسمیں دھنساتے ہوئے بولا۔ "لا حول ولا قوۃ۔ تم آدمی ہو یا پاجامہ۔"

"محمود میرے یار" ابوالفرح نے سسکی سی لی۔ "اگر آدمی اپنی محبوب کے سامنے اظہار مدعا بھی نہ کر سکا تو اسکی زندگی۔ اُس کا جینا کس کام کا۔ لعنت ہے۔ اف۔ لعنت ہے۔ ہاؤ۔ آہ" یہ اُس نے پھر سر ہلایا۔

"بے وقوف۔ تمہیں کچھ ہوش بھی ہے،" محمود نے کہا۔ اس کی آواز میں گھن گرج تھی۔ اُسے ابوالفرح کو بہلانے کی ترکیب سوجھ گئی تھی

"تمہیں پتہ بھی ہے کہ نعیمہ کے سامنے تمہاری زبان کیوں گنگ ہو گئی؟"

"میری بزدلی کے باعث۔ لعنت ہے۔"

"نہیں۔ نہیں" محمود جلدی سے بات کاٹ کر بولا۔

"یہ بات نہیں ہے۔ رعب حسن کا معاملہ تھا۔ رعب حسن کا جس کے سامنے اچھے اچھے سورماؤں کا پتہ بھی پانی ہو جاتا ہے۔ سمجھے؟"

"اوہ"

"ہاں۔ بالکل یہی بات تھی۔ اور یہ اس بات کا بہت اچھا ثبوت ہے کہ تم نعیمہ کو دیوانہ وار چاہتے ہو"

"آہ۔ میں اُسے ہر وار چاہتا ہوں"

"ہر وار"!

اوہ۔ بس زبان لڑکھڑا گئی تھی۔ اف۔ تو رعب حسن کا معاملہ تھا"

ابوالفرح سینے کو پھلاتے ہوئے سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

"ہاں۔ اور کیا۔"

"لیکن۔ لیکن۔ محمود میرے دوست" ابوالفرح کا لہجہ اور آواز پھر پست ہو گئی تھی۔ "مگر میں اُس سے کسی طرح سے کہوں گا کہ میں اُسے چاہتا ہوں۔ خط لکھوں۔ ٹھیک رہے گا نا۔"

"نہیں۔ یہ چٹھی چپاٹی کا کام غلط ہوتا ہے۔ لڑکیوں پر اس کا غلط اثر پڑتا ہے۔"

"پھر۔" پھر کیا میں عمر بھر نظر التفات کے لئے تڑپتا رہوں گا محروم نظرِ التفاتِ محبوب۔ عاشق نے شاعری کی۔

"نہیں۔ تم کو یہ کرنا ہو گا۔ یہ کرنا ہو گا۔"

"محمود سر کھجاتا ہوا بولا۔"

تم کو اپنے میں جرأت پیدا کرنی ہوگی اظہار عشق کرنے کی۔

"ہائے۔ اف۔ مشکل ہے بلکہ ناممکن ہے۔ اب سات کے واقعہ کے بعد۔ قطعی ناممکن ہے۔ نفسیاتی ردِ عمل مجھ پر سخت مغلظ قسم کا مرتب ہوا ہے۔ اور اُس سے سنبھلتے سنبھلتے دن لگ جائینگے۔"

عاشق کے اندر کا تعلیم یافتہ فرد پھر سے جھلکنے لگا تھا۔

"ہم۔ تو پھر۔ ہیرو۔ مجھے سوچنے دو۔"

"سوچو۔ برائے خدا جلدی سوچو۔ اف۔ لعنت ہے۔" ابوالفرج نے جلدی سے کہا۔

ایک دو منٹ سیٹیاں بجانے۔ چھت کو گھورنے کے بعد محمود نے ذہن میں اسکیم لا لی۔ بلکہ بنا ڈالی۔ بولا۔

"ہاں تو ایک کام کرنا ہوگا۔ کل جلسہ میں زوردار انداز میں تقریر کرو۔ اِس زوردار طریقہ سے کہ وہ تمہاری مرید ہو جائے۔ اور۔ پھر۔ پھر تقریر ختم کرنے کے بعد جب تم میں خود اعتمادی عود کر آ چکی ہوگی تم۔ تم بس نعیمہ سے کہیں کسی تنہا گوشہ میں ملو۔ اور بس یکدم سینے سے چمٹا کر بوسہ لو۔ اور کہو کہ۔"

"ہائے۔ اف۔ مگر مجھ سے یہ کیسے ہوگا۔" ابوالفرج کانپتا ہوا بولا۔

"لعنت ہے تم پہ۔ لعنت۔ اماں۔ ایک لڑکی کو چمٹا کر بوسہ نہیں لے سکو گے کیا۔ اور لڑکی بھی کون۔ جو تمہیں دل دے بیٹھی ہے۔"

"ہاں۔ بہت مشکل ہے۔ مگر میں تمہاری خاطر سے یہ کر ہی لوں گا" علینکی نے محمود پر احسان کرتے ہوئے کہا۔ "لیکن اس کے بعد اگر اُس نے کچھ کہا۔ تو۔ کچھ"

"کچھ نہیں ہوگا۔ نسخہ گارنٹیڈ ہے۔ اور اب تک بیسیوں تجربوں میں سو فیصد کامیاب رہا ہے"

"آہ۔ اف۔ ہائے۔ آہ۔۔ لیکن۔ لیکن کل کی تقریر۔ اُس کا کیا ہوگا۔ کیا کہوں گا" عاشق کو دوسرے اندیشہ نے گھیر لیا۔

"سنو۔ اب یکدم باغ میں چلے جاؤ۔ نہیں جھیل کے کنارے جاؤ اور کل کی تقریر کا تنہائی میں ریہرسل کرنا۔ جو جی میں آئے وہ کہنا مگر خدا کے لیے ٹماٹوں کا تذکرہ نہ کرنا"

"ہائے۔ اف۔ ٹماٹے اگر تقریر کا موضوع ہوتا تو مزہ آجاتا" ابوالفرح نے کف افسوس ملتے ہوئے کہا۔

محمود نے اپنی ہنسی کو کھانس کر روک لیا۔ اور بولا

"اچھا اب میں چلتا ہوں"

کامن روم سے باہر نکلا تو اُسے برآمدے کی سیڑھیوں پر اسلم کھڑا ہوا نظر آیا۔

"ہلو۔ میرے عزیز" محمود نے کہا۔

"ہلو" محمود۔ آؤ ذرا ٹہلیں۔ مجھے تم سے کچھ باتیں کرنی ہیں"

س کا لہجہ بڑا سنجیدہ تھا۔

" اچھی بات ہے۔ آؤ۔ جھیل کی طرف چلیں۔"

دو تین منٹ بعد وہ جھیل اور مکان کے درمیان حائل وسیع یدان کو عبور کر رہے تھے۔ اور اسلم کہہ رہا تھا۔

" میں رات بھر نہیں سویا۔ رات کا حادثہ۔

" ففت۔ ففت۔ مجھ سے خالہ جان اور خالہ بیگم سے آنکھ نہیں ئی گئی۔"

" اف۔ کم بخت راشدہ کی بچی۔ ہائے۔ آہ۔ فف فف۔"

" چ۔ چ۔ تمہیں راشدہ کو ایسا نہیں کہنا چاہیئے۔"

" تو پھر رات کو اُس نے جو حرکت کی اُسکا۔ اُسکا۔ اُس سے ند کیا تھا۔ تمہیں نہیں معلوم۔ محمود۔ وہ مجھ سے نفرت کرنے ی ہے۔"

" تم سے نفرت کرتی ہے!" محمود کے لیے۔ یہ بات واقعی نیا کشاف ہی تھی۔

" ہاں۔ میں خوب سمجھتا ہوں۔ ففت۔ ففت۔" اسلم موٹاپے وجہ سے تیز بولنے میں بھی ہانپنے لگتا تھا۔

" میں اس کا سبب جانتا ہوں۔"

" کیا ہے۔ مجھے بھی تو کچھ پتہ چلے۔"

" سنو۔ وہ کسی اور سے عشق کر رہی ہے۔ اس لیے میرے

تعلق سے اُس کے دل میں ذرا سی بھی گنجائش باقی نہیں رہی۔"

محمود ٹھٹک کر کھڑا ہو گیا اور اسلم کو شانوں سے پکڑتا ہوا بولا

"کیا مطلب؟"

"کیا مطلب سے تمہارا مطلب۔ سیدھی سادھی بات بھی سمجھے۔ فف۔ فف۔"

"تم احمق ہو۔" محمود غصہ میں آکر بولا "تم۔ تم ...۔"

"نہیں محمود۔ میں اچھی طرح سے جانتا ہوں۔ نینی تال میں کسی سے نظر لڑ گئی۔ اور واپس آتے ہی مجھ میں کیڑے نظر آنے لگے۔"

"نینی تال میں؟"

"ہاں نینی تال میں۔ سینکڑوں آدمی آتے ہیں۔ کیا پتہ کس نو کی ادا راشدہ کو بھا گئی۔"

"اسلم۔" محمود نے چیخ کر کہا۔

"یہ سراسر اتہام ہے۔ میں نینی تال میں ہر ہر لمحہ اُسکے ساتھ رہا بوٹنگ کرتے ہوئے۔ پہاڑوں پر چڑھتے ہوئے۔ کسی بھی وقت وہ مجھ سے جدا نہیں ہوئی۔ پھر کسی نوجوان کی ادا۔"

"ہٹرو۔" اسلم نے اُسے ٹوکا۔

"اور چند لمحے اُسے گھورتا ہوا بولا" میں سمجھ گیا۔ میں سمجھ گیا بدمعاش۔ بدمعاش۔ وہ تم ہو جس کی خاطر راشدہ مجھ سے نفرت کرنے لگی ہے۔"

اور اُس نے محمود کا گریبان پکڑنا چاہا۔

لیکن محمود نے ایک جست سی لگا لی۔ چند قدم دور ہو گیا
ایک بنچ دونوں کے درمیان حائل ہو گئی۔

اسلم اُسکے پیچھے لپکا۔ اور چند منٹ میں میوزیکل چیر کا سا
ہوتا رہا۔ پھر وہ تھک کر ہانپنے لگا اور بنچ کا سہارا لیکر کھڑا
یا۔

محمود بنچ کے اُس طرف اُس کے سامنے آیا اور بولا۔

اسلم میرے عزیز تم۔ تم غلط فہمی میں مبتلا ہو۔"

نہیں۔ بد۔ بد۔ بد۔ معاش۔ فف۔ فف۔ ف" اسلم ہانپتا کانپتا
لا۔"

اسلم سنو۔ راشدہ بالکل میری سگی بہن جیسی ہے۔"

نہیں۔ تم۔ تم مجھے دھوکہ دے رہے ہو۔ وہ ذلیل اور۔"

محمود کو تاب ضبط باقی نہ رہی۔

وہ اچھل کر بنچ کے اس پار آیا اور اسلم کو گلے سے پکڑ کر بولا۔
بولا۔

اپنے الفاظ واپس لے لو۔ موٹے بے وقوف۔ ورنہ قسم سے۔"

ار۔ ر۔ فف۔ فف۔ غف۔ ہاہ" اسلم اپنا گلا چھڑاتے
بولا۔

میرا گلا چھوڑ دو۔ کیا مار ڈالو گے۔"

"جی تو یہی چاہتا ہے۔ مگر کیا کروں۔ راشدہ کی مروت

آتی ہے۔ ورنہ ۔۔"

"ہاؤ۔ فف۔ پھر کہتے ہو کہ ۔۔"

"موٹے۔ گدھے۔ پاجی۔ اب کے کچھ کہا تو سر توڑ دوں گا۔

۔ راشدہ بیشک مجھے پیاری ہے لیکن بہن کی طرح۔ اور کوئی

ہوتی تو میں تمہیں اتنی لعنت ہی کیوں دیتا۔ آیا سمجھ میں ۔۔"

"اوں۔ ہاں ۔۔" اسلم نے کہا اور پلکیں جھپکا کر بولا۔

"کھاؤ میرے سر کی قسم کہ تم سچ کہہ رہے ہو۔"

اُس کی آواز شدت اشتیاق سے کانپ رہی تھی۔

محمود اُسکی اِس ادا پر ہنس پڑا۔ اُسکا سارا غصہ یکدم کافور

"تمہارے سر کی تو کیا تمہارے سسرے کے سر کی قسم کھاتا ہوں۔"

وہ ہنس کر بولا۔

"آہ۔ فف۔ فف بس ہے۔ مجھے یقین آگیا۔ میں۔ میں معافی

ہوں کہ میں میں انٹ سنٹ بک گیا تھا۔"

"کوئی بات نہیں۔ کوئی بات نہیں۔" محمود نے اپنے عزیز کے

تھپ تھپائے۔

"میں واقعی شرمندہ ہوں۔ ار۔ ر۔ اف۔ اب۔ ابا۔ مجھے

مشورہ دو کہ۔ ہاؤ۔ آہ۔ وہ ظالم ابھی ابھی تک رام نہیں ہوئی۔

"ہو جائیگی۔ میرا ذمہ۔"

"تمہارا ذمہ - تمہارا اُس پر اتنا اثر ہے کہ -"

"ہاں -"

"اُف - ف ف - اور پھر کہتے ہو کہ تم دونوں کے درمیان کوئی معاملہ نہیں ہے - ف ف - تم جھوٹے - تم نے جھوٹی قسم کھائی تھی -"

اور اس سے پہلے کہ محمود چونکتا اُسنے بڑھ کر محمود کو اپنی باہوں میں جکڑ لیا -

"ار - ر - یہ کیا ہے - اسلم -" محمود اپنے کو چھڑانے کے لئے زور لگاتا ہوا بولا -

"میں تمہاری ہڈیاں توڑ دوں گا - بدمعاش - تم نے میری زندگی تباہ کر دی - ہائے - ف ف - ف ف - میری راشدہ تمہاری بدولت مجھ سے چھن گئی -"

"اسلم قسم ہے پاک پروردگار کی -"

"نہیں - میں تمہاری قسم پر اعتبار نہیں کر سکتا -"

"اسلم - سنو -" محمود اُس سے باقاعدہ طور پر ہاتھا پائی کرتا ہوا بولا - "میں - میں ایک اور لڑکی کو چاہتا ہوں - راشدہ سے مجھے پھر کیا واسطہ -"

"کون ہے - کون ہے -" اُسنے گرفت ذرا ڈھیلی کرتے ہوئے کہا - "جلدی بتاؤ - ورنہ - ف ف - ہائے - آہ - تمہاری ایک پسلی توڑ کر ہی چھوڑ دوں گا -"

وہ پاگل سا ہو رہا تھا۔ اور اُس سے اب کچھ بھی بعید نہ تھا۔

”وہ۔ وہ۔ کیا ضروری ہے کہ۔ میں تمہیں نام بتاؤں؟“

”نہیں۔ بتانا ہوگا ورنہ۔“ دیوہیکل اسلم نے اپنی گرفت تنگ کردی۔ محمود جو بے خبری میں جکڑا گیا تھا۔ بلبلا کر بولا۔

”وہ۔ وہ۔ نعیمہ ہے۔“

”واقعی۔“

”ہاں۔“

”ہو ہو۔ ہو۔ ہا ہا۔ ہا۔ تو تم بھی یہاں شہامت کا پیچ لڑانا چاہتے ہوئے بھی دوڑے آئے۔“ اور اُسے چھوڑتا ہوا بولا۔

”آخر تم بھی پھنس گئے نا۔“

”ہاں۔“

”ملاؤ ہاتھ میں ہاتھ۔“ اسلم ایسے بولا جیسے اس نے محمود کے ساتھ کچھ کیا ہی نہیں تھا۔

”نہیں۔“ محمود شوپٹ اپ کرتا ہوا روتی آواز میں بولا۔

”میں نامراد رہا۔ اُس نے کل رات مجھے صاف جواب دیدیا۔ وہ۔ وہ کسی اور کو چاہتی ہے۔“

”ہاؤ۔ ؤ۔ یہ لڑکیاں۔“ مجھے بہت افسوس ہے۔ فف۔ فف۔ بتاؤ۔ میں تمہاری کوئی مدد کر سکتا ہوں۔ کون ہے وہ لڑکا۔ اُسے جان سے مار دوں گا۔“

"نہیں - نہیں - وہ کوئی بھی -"

"کیا مطلب -" اسلم غرّایا -

"محمود نے دیکھا کہ گاڑی پٹڑی سے اتر رہی ہے - جلدی سے بولا -"

"یہ آداب عشق کے خلاف ہے - میں صبر کر لوں گا - لیکن -"

"ہاؤ - آہ - ففف - جیسے تمہاری مرضی -" اور اسے اپنی پریشانی یاد آئی -

"خیر - مگر بتاؤ میرے لیے کیا کرو گے -"

"میں - میں آج راشدہ کو ملوں گا - اور - اور - کچھ نہ کچھ کروں گا -"

"کیا کرو گے -"

"تمہیں اِس سے کیا بحث - نتائج سے غرض رکھو -"

"ہم - ففف - ففف - تو پھر چپکے سے صبر کر لوں -"

"ہاں -"

اچھا اب میں چلا - ذرا دماغ پر دباؤ ڈالوں گا کہ کیا کرنا ہے -

اور محمود جلدی سے وہاں سے چل دیا -

جھیل کے کنارے پہنچ کر اس نے ایک کشتی سنبھالی - اور جھیل

کے وسط میں بنے ہوئے ٹاپو پر پہنچ کر کشتی کھونٹے سے باندھی اور ایک سایہ دار درخت کے نیچے جاکر سو گیا۔

اُسے بری طرح سے نیند آرہی تھی۔ رات نیند مطلق نہیں آئی تھی۔ اور۔ اور کاٹیج میں سونا امر محال تھا۔

چچی بیگم، اسلم، اور ابوالفرح کوئی نہ کوئی اُس سے آکر چمٹ جاتا تھا۔

باب ۸

جب اس کی آنکھ کھلی تو اندھیرا ہو رہا تھا۔ وہ کئی گھنٹے سویا تھا۔ وہ بھاگا اور جلدی سے کشتی کھول کر کھینے لگا۔

جب گھر میں داخل ہوا تو اُسکی کلائی کی گھڑی میں ساڑھے سات بج رہے تھے۔

منہ ہاتھ دھو کر نیچے آیا تو چچی بیگم ڈرائنگ روم میں منہ پھلائے بیٹھی تھیں۔

"ہلو۔ چچی بیگم۔ کیا سہانی شام ہے۔"

"اجاڑ سی شام ہے۔ اور تمہیں سہانی نظر آتی ہے۔ واہ واہ" انہوں نے جواب دیا۔

اُن کا موڈ بے حد بگڑا ہوا تھا۔

"چچی ڈیر۔ آخر ہوا کیا۔ جو آپ منہ پھلائے ہوئے بیٹھی ہیں" س نے اُن کے شانے پکڑتے ہوئے کہا۔

"ہونا کیا۔ تمہارا سر۔ اُف۔ آج ۲۹ تاریخ ہے اور ہم کے ئے صرف دو دن بیچ میں رہ گئے ہیں"

"اوہ - تو آپ نے چچا جان سے کہا نہیں - تذکرہ نہیں کیا -"

"میری شامت آئی ہے کیا - وہ - اوہ - اُن کا موڈ سخت خراب ہے - ایک تو راشدہ کی منگنی کے ٹوٹنے کا قصہ - اور پھر جمال خاں کا معام

"اوہ - تو کیا جمال خاں ابھی تک **ملا** نہیں ہے"

"نہیں"

"بس اتنی سی بات" اُس نے ان کے سر کو تھپ تھپایا -

"مجھ پر چھوڑ دیجئے یہ ذمہ داری بھی - میں اُسے ٹھیک کر لونگا -"

"ہاں اور معاملہ بگاڑ دو گے - یہ سب تمہاری وجہ سے ہی ہوا تھا -"

"چچی بیگم - بازی بعض اوقات پلٹ جاتی ہے - تو اس میں میرا کیا قصور"

"ہاں - آہ - قصور تو میرا ہے -" چچا بیگم نے فلسفیانہ انداز میں سر ہلا کر کہا -

"بس فکر مت کیجئے - سب کچھ ٹھیک ہو جائیگا - میں آج رات جمال خاں سے نپٹوں گا اور پھر کل راشدہ اور اسلم سے - اس کے بعد چچا جان کا موڈ خود بخود ٹھیک ہو جائیگا - اور آپ کو روپے مل جائینگے"

"دیکھ محمود - اگر تو نے مجھے پہلی تاریخ تک روپے دلا دیئے تو میں تجھے پانچ سو روپے دے دوں گی" چچی جان نے جلدی کہا -

انہیں محمود کی عادت سے اچھی طرح سے واقفیت حاصل تھی
نیس لے کر وہ کام منٹوں میں کر دیا تھا۔

"تو بات یہ تھی۔ آپ پرسوں صبح پانچ ہزار کا چک لے لیجئے گا
جھ سے۔" "اور۔ اور۔ اب کیا کھلا رہی ہیں آپ۔"

"یہ مت پوچھو۔"

"آخر؟"

"چپاتیاں اور بھنا گوشت۔ میں نے تیار کیا ہے۔"

"زندہ باد چچی بیگم۔"

اور وہ میز کی طرف بڑھ گیا۔

"ارے ارے۔ ابھی سے بیٹھ رہے ہو۔ کوئی نہیں آیا ہے؟"

"چچی بیگم۔ زوروں کی بھوک ہو رہی ہے۔ دوپہر میں کھانا
یں کھایا ہے۔"

"ارے۔ میں بھول گئی تھی۔ دوپہر تم کہاں غائب تھے۔"

"میں۔ میں جھیل میں ٹاپو پر سو رہا تھا۔"

اور انہوں نے زور سے پکارا "فیروز۔ جلدی کھانا لاؤ۔"

فیروز شہامت کاٹیج کا بٹلر تھا۔

"جی۔ صاحبزادے۔ ابھی لے آیا۔" فیروز نے سامنے باورچی
نے کی طرف جواب دیا۔

کھانے سے فارغ ہو کر وہ کچھ دیر باغیچہ میں اور کمپاؤنڈ میں ٹہلتا رہا۔ اور جب گھنٹہ بھر بعد گھر میں داخل ہوا تو سب لوگ ڈنر سے فارغ ہو چکے تھے۔

نعیمہ اور راشدہ ڈرائنگ روم میں تھیں۔

اسلم اور ابوالفرح کامن روم میں کوئی کھیل رہے تھے چچی بیگم ڈرائنگ روم میں جمال خاں سے باتیں کر رہی تھی۔

اُس نے اشارہ سے راشدہ کو باہر آنے کے لئے کہا اور پھر ڈرائنگ روم کے سامنے سے ہٹ گیا۔

دوسرے منٹ راشدہ اُس سے آملی۔

“ بولی ”

“ محمود بھائی ۔ کیا کام ہے ؟ ”

“ تم سے کچھ باتیں کرنی ہیں ۔ آؤ ۔ باغ میں گھومتے ہوئے چلیں یا گلاب کی تختی کے پاس بیٹھ جائیں ۔ ”

“ لیکن کیا بات کرنی ہے ؟ ”

“ لڑکی ۔ چپ چاپ چل ۔ ” محمود نے اُسے ڈانٹا۔

“ اچھا ۔ بھئی اچھا ۔ چلتی ہوں نا ۔ ”

پانچ منٹ بعد وہ گلاب کے تختے کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔

"آخر کیا کہنے کو آپ یہاں بلا لائے ہیں؟"

راشدہ نے پوچھا۔

"راشدہ۔ میں تم سے اسلم کے بارے میں بات کرنا چاہتا ہوں۔"

"تو پھر میں نہیں سنوں گی۔"

"نا۔ نا۔ میں اُس کی سفارش نہیں کر رہا ہوں۔ بیٹھ جاؤ۔"

اور اٹھ کھڑی ہوتی ہوئی راشدہ پھر بیٹھ گئی۔

"پھر کیا کہنا ہے؟"

محمود نے سر کھجایا اور پھر اپنے پہلے سے طے شدہ پروگرام کے مطابق بولا۔

"یہی کہ اچھا ہوا تمہیں اُس نامعقول سے چھٹکارا مل گیا۔"

"ہم۔ کیا کہا۔ کیا کہا؟" راشدہ متعجب ہو کر بولی۔

"یہی کہ منگنی ٹوٹ گئی۔ اچھا ہوا۔ تمہارے سر سے بلا ٹل گئی۔"

"بلا؟" راشدہ نے مشتبہ نگاہوں سے محمود کو دیکھا وہ کچھ اور دھوکہ میں تھی۔

"ہاں اور کیا۔ میں بہت خوش ہوں۔"

"خوش ہیں آپ؟" راشدہ نے ذرا پرے کھسکتے ہوئے بولی۔

"ہاں۔ لے دے کے بہن تم ایک ہی ہو اور اُس گدھے کے پلے پڑ رہی تھیں۔ ہاؤ۔ اب اطمینان ہوا۔"

بہن کے لفظ پر راشدہ کا اضطراب کم ہوا۔

پھر اُس کی طرف ہٹتی ہوئی بولی۔

"لیکن محمود بھائی۔ امی اور ابا تو چراغ پا ہیں۔ ان کو نہ جانے اُس بیٹڑ میں کیا سرخاب کے پر نظر آرہے ہیں۔"

"پتہ نہیں۔"

"کھاتا کس قدر ہے۔ اور بات کیسے کرتا ہے۔ چلتا ہے تو توند یوں ہلتی ہے۔ جیسے۔ جیسے۔"

"جیسے فٹ بال لڑھکتا ہے۔"

"ہاں۔ اور۔ اور پھر اکڑ اتنی کہ توبہ بھلی۔"

"ہاں۔ مجھے تعجب ہے کہ تم نے ۶ مہینے تک اُسے کیسے گوارا کر لیا۔" محمود نے آہستہ سے پھر تیر چلایا۔

دراصل وہ آج اُسکے سامنے اسلم کی برائیاں کر کے اپنے تئیں اُسکے دل میں اسلم کے لئے محبت۔ سوئی ہوئی محبت کو جگانے آیا تھا۔

"میں۔ میں۔ مجھ پر اُسکے جوہر کھلے نہیں تھے۔"

"ہاں۔ بڑا کائیاں ہے۔ ہمیشہ سے وہ ایسا ہی رہا ہے۔ اپنی کمزوریوں کو یوں چھپاتا ہے کہ پوچھو نہیں۔ میں پانچویں جماعت سے بی اے تک اُس کا کلاس میٹ رہا ہوں۔ ہمیشہ بدہضمی ہو جانے کی حد تک کھاتا تھا۔ لوگ گھنٹوں سوتے ہیں اور یہ دنوں سوتا تھا۔ انتہائی بور آدمی بات کرتے کرتے اونگھ جائیگا۔ ہائے چلو اب تو تم بچ گئی ہو۔"

"محمود بھائی۔ آپ پہلے آدمی ہیں جنہوں نے اس معاملہ کو میرے

نقطۂ نظر سے دیکھا ہے "۔

" یعنی تم میری رائے سے بالکل متفق ہو "۔ محمود بوکھلا کر بولا۔ وہ اس لئے پریشان ہو چلا تھا کہ راشدہ صبر سے اُس کی باتیں سنتی جا رہی تھی۔

اور رہ رہ کر اُسے یہ خیال ستا رہا تھا کہ کیا راشدہ کے دل میں اسلم کے لئے ذرہ بھر گنجائش نہیں رہی "۔

" ہاں ۔ اور کیا ۔ بس بچ گئی ہیں تو ۔ ورنہ شادی ہو جاتی تو یہ شخص تو مجھے زندہ درگور کر دیتا ۔ آدمی نہیں گدھا ہے ۔ خدا جانے کیسا الا بلا بی کر لیا اُس نے "۔ راشدہ سامنے جھاڑیوں کی طرف نگاہیں ڈالتے ہوئے زور سے بولی۔

" ہاں ۔ واقعی گدھا ہے "۔ محمود نے کہا۔

اُسے کہنا پڑا ۔ کوئی چارہ کار ہی نہیں تھا۔

" تو بس آپ نے یہی کہنے بلایا تھا "۔

" ہاں "۔ محمود نے جوتے کی نوک سے زمین کریدتے ہوئے کہا۔

شکریہ محمود بھائی ۔ اچھا ۔ ار ۔ ر ۔ مجھے سردی محسوس ہو رہی ہے ۔ میں چلتی ہوں "۔

اور وہ چلی گئی۔

محمود کی اسکیم چوپٹ ہو گئی تھی ۔

وہ سر ہاتھوں میں دبیئے سوچ رہا تھا کہ اُس کی باتوں کا متوقع ردِ عمل ہونے کے بجائے بالکل غلط بات ہو گئی۔

راشدہ کو گئے ہوئے ایک منٹ بھی نہ گزرا تھا کہ سامنے جھاڑیوں میں کھڑبڑاہٹ ہوئی اور محمود نے چونک کر دیکھا۔

مہندی کی باڑ سے اسلم برآمد ہو رہا تھا۔

”ہلو۔ اسلم“ اُس نے ہاتھ ملایا۔

”فف۔ فف۔“ اسلم نے جواب میں پھنکار سی ماری اور سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔

چاند طلوع ہو چکا تھا۔ اور ہلکی سی روشنی۔ ہلکا سا نور چاروں طرف پھیلا ہوا تھا۔

اور اسی نور میں محمود نے دیکھا کہ اسلم کی آنکھیں ابلی پڑ رہی ہیں۔ اور اُس کا جسم رہ رہ کر کانپ رہا ہے۔ چہرہ سے غیظ و غضب کے آثار بری طرح رونما تھے۔ اور وہ اُسے گھور رہا تھا۔

”کیا بات ہے۔ مجھے کیوں گھور رہے ہو۔“ محمود نے کہا۔

”فف۔ فف۔ خف۔ میں تمہارا خون پی جاؤں گا۔“ اُس نے جواب میں کہا۔

”اسلم۔ تم ہوش میں ہو۔“ محمود اُٹھ کھڑا ہو گیا۔

”ہوش میں تم نہیں ہو گے۔ ذلیل کمینے۔“ اور اُس نے ہاتھ چلایا۔

محمود نے جھک کر وار خالی دیا۔

دوسرے لمحہ اسلم اس پر پل پڑا۔

"میں۔ میں باڑ کی اوٹ سے تمہاری باتیں سن رہا تھا۔ تم۔ تم" وہ چیختا ہوا کہہ رہا تھا۔

اور یکدم محمود کی سمجھ میں آگیا کہ اسلم کس لیے اسقدر خفا ہے "اوہ یہ بات ہے" اس نے سوچا اور اس کا چڑھتا ہوا پارا گرنے لگا۔

اس نے ۲، ۳ بار اسلم کو جھکائیاں دیں۔ اور اس کی گرفت سے بچ نکلا۔

اس کا حشر اور بھی برا ہوا۔ اسلم کا غصہ اور بڑھ گیا۔

"بہ۔ بہ۔ بدمعاش۔ آج۔ ج۔ رت۔ ت۔ تجھے۔ جان سے۔ م۔ م۔ مار۔ ڈ۔ ڈالونگا۔" وہ بڑبڑا رہا تھا۔ اور محمود پر جھپٹ رہا تھا۔

ایک آدھ منٹ بعد محمود نے موقع پاکر اسلم کو پیچھے سے پکڑ لیا اور اس کا ہاتھ مروڑتے ہوئے بولا "اسلم۔ رک جاؤ۔ ورنہ۔ میں ہاتھ توڑ دوں گا۔"

"توڑ دو۔ جان سے مار ڈالو" وہ چیختا ہوا بولا۔

محمود نے ذرا اور دباؤ ڈالا۔

اسلم نے ایک سسکاری بھری اور اس کی جدوجہد ختم ہو گئی

"بے وقوف سنو۔ میں جو کچھ تمہارے خلاف کہہ رہا تھا" محمود نے موقعہ غنیمت پاکر کہنا شروع کیا۔

"اس کا مقصد یہ تھا کہ راشدہ کے دل کو ٹٹولوں۔ تمہاری اتنی برائی کروں کہ۔ اتنی برائی کروں کہ اسے یکدم خیال آجائے کہ تم پر ظلم ہو رہا ہے۔ اور وہ۔ وہ مجھ سے لڑ پڑے۔ اور اس کا اثر یہ ہوتا تھا کہ اس کے دل میں تمہاری محبت عود کر آتی"۔

"جھوٹے!" اسلم چنگھاڑا۔

"تمہاری مرضی۔ ہم تو تمہاری خاطر مرے جا رہے ہیں اور تم ہو کہ۔"

"فف۔ فف۔ میں کیا کر رہا ہوں"

"مجھے قتل کرنے آرہے تھے"

"کہاں آرہا تھا۔ بس ایسا ہی غصہ آگیا تھا" اسلم نرم ہوتا ہوا بولا۔

اس کی موٹی عقل میں بات آرہی تھی۔

"اور۔ اور اسی غصہ میں تم نے جھاڑیوں میں گڑبڑ کی ہوگی" ہلے جلے ہو گے۔

اور۔ اور اس نے۔ راشدہ نے تمہیں دیکھ لیا ہوگا۔ اور وہ بجائے اسکے کہ مجھ سے لڑتی۔ اس نے الٹا تمہیں گالیاں دیں۔ بے وقوف کہیں کے۔ ذرا صبر کر لیتے"

"اف ۔ مف ۔ مجھ سے غلطی ہو گئی ۔ تم سچ کہتے ہو ۔ وہ بار بار جھاڑیوں کی طرف ہی دیکھ رہی تھی ۔" اسلم کھسیانی آواز میں بولا۔ اور محمود کو بھی یاد آ گیا کہ راشدہ جھاڑیوں کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"گدھے ۔ احمق ۔ ذرا ۔ صبر کر لیا ہوتا ۔ تم نے ۔"

"اوہ ۔ کسے گدھے کہہ رہے ہو ۔ ذرا زبان سنبھالو۔

"تمہیں کہہ رہا ہوں ۔ پاجی "

"ارے ۔ میں ۔ میں تمہارا ہونیوالا بہنوئی ہوں" اسلم نے اکڑ کر کہا۔

محمود کو ہنسی آئی اور ساتھ ہی جی میں آیا کہ کہے کہ میاں راشدہ سے منگنی ٹوٹ چکی ہے اب کہاں سے "

لیکن اس خیال سے چپ بیٹھا کہ موٹے کا دماغی توازن پھر بگڑ نہ جائے۔

"ٹھیک ہے ۔ آئی ایم ساری ۔"

"جاؤ ۔ معاف کر دیا ۔" اسلم نے سینہ پھلا کر کہا۔

اور محمود جان بچی لاکھوں پائے کے مصداق اس کے پاس سے بھاگنا چاہتا تھا۔

اتنے میں راشدہ کی آواز آئی۔

"محمود بھائی ۔"

اُس نے پلٹ کر دیکھا۔

راشدہ ایک ہاتھ میں ایک ٹرے لئے ہوئے آ رہی تھی۔

قریب آ کر اُس نے اسلم کی طرف پشت پھیر لی۔ اور محمود سے مخاطب ہو گئی۔

"محمود بھائی۔ اسلم صاحب کہیں ملیں تو یہ ٹرے انہیں دے دیجئے۔ بیچارے انہوں نے ۸ بجے رات کے بعد سے اب تک کچھ نہیں کھایا ہے۔ تف۔ تف۔ اف ڈھائی گھنٹے بغیر کھائے پیئے۔ کیا برا حال نہیں ہو گیا ہوگا۔"

اور اُس نے ٹرے بنچ پر رکھ دی اور واپس چل دی۔

محمود نے اسلم کو دیکھا جس کی آنکھیں شعلے برسا رہی تھیں۔ اور خیریت اسی میں سمجھی کہ بھاگ نکلے اور جلدی جلدی لمبے لمبے ڈگ بھرتے ہوئے وہاں سے چل پڑا۔

چند قدم بھی نہ چلا تھا کہ اُس نے ٹھن۔ ٹھنانا۔ نا۔ ٹھن جھناگ کی آواز سنی۔

اسلم نے ٹرے کو لات مار کر اُڑا دیا تھا۔

اور آواز برتنوں کے لڑھکنے اور ٹرے کی تھی۔

باب ۹

صبح بڑی خوشگوار تھی۔

محمود نے کھڑکی میں سے جھانک کر تازہ ہوا کو نتھنوں کے ذریعہ اندر کھینچا۔ اور پھر "ہا" کے ساتھ سانس چھوڑی۔

ایک انگڑائی لے کر اُس نے رات کی رہی سہی تکان بھی ختم کر دی اور حمام کی سمت چلا گیا۔

وہ آج بہت سست تھا۔

ایک تو راشدہ اور اسلم کے جھگڑے کا طول کھینچنا دوسرے ابوالفرح حسینی کے عشق کا معاملہ، پھر جمال خاں کی نوکری چھوڑ دینے کی دھمکی (رات اُسے جمال خاں سے بات کرنا یاد نہیں رہا تھا) اور چچی بیگم کے لئے پانچ ہزار روپے، کتنے سارے دردِ جگر تھے۔

اور سب سے بڑھ کر شام کے جلسہ میں ابوالفرح حسین کی صدارت کا روح فرسا تصور تھا۔

اور۔ اور چچی بیگم کے متوقع عتاب۔ چچا جان کے متوقع غیظ و غضب سے وہ رہ رہ کر کانپ اٹھ رہا تھا۔

حمام میں وہ روز کی طرح نہاتے ہوئے گنگنایا نہیں۔ بلکہ اُسے ایک شعر بھی یاد نہیں آیا۔ منہ لٹکاتے ہوئے نہاتا رہا۔

اور جب باہر آکر الماری کے سامنے کھڑا ہو کر سر پونچھ رہا تھا۔ تو اُسے آئینے میں اپنا سوکھا منہ نظر آیا۔

اور یکدم اُسے اپنے آپ پر غصہ آیا کہ کس خدا نے اُس سے یہ تمام مصیبتیں مول لینے کو کہا تھا۔

ایک دو منٹ وہ اپنے چہرے کے نقوش دیکھتا رہا پھر اُس نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور پھر کنگھی کرنے لگا۔

چند منٹ بعد وہ شیو بناتے ہوئے سوچ رہا تھا کہ کیسے ابو الفرح سے جلسہ کی کامیاب صدارت کروائی جائے یعنی اُس سے صرف آخر میں تقریر کروائی جائے بلکہ کیسے کرسی صدارت چھوڑ کر درمیان میں سے اٹھ بھاگنے سے باز رکھا جائے۔

اگر وہ اِس میں کامیاب ہو جاتا تو پھر چچی بیگم کی خفگی کا ڈر ختم تھا اور ساتھ ہی چچا جان کے موڈ کے مزید بگڑ جانے کا خدشہ بھی باقی نہیں رہتا تھا۔ اور یہی نہیں نعیمہ اور ابو الفرح کا مسئلہ بھی حل ہو جاتا تھا۔

اور اُسے راشدہ اور اسلم کے جھگڑے کی طرف پوری پوری توجہ دینے کا موقعہ مل جاتا تھا۔

لیکن مشکل یہ تھی کہ ڈرپوک اور نیم بزدل ابوالفرح میں اتنی جرأت کیسے پیدا کی جائے کہ وہ گھنٹہ بھر ۵ سال سے لے کر ۱۵ سال کی عمر تک کے ۲،۳ سو چلاتے چیختے بچوں سے بھرے ہوئے ہال میں جم کر بیٹھے، سلیقہ سے بیٹھے اور پھر صدارتی تقریر کرے.

وہ اپنے آپ کو گالیاں دینے لگا کہ اگر خود ہی جلسہ کی صدارت قبول کر لیتا تو کیا ہوتا ۔

یکدم بلیڈ کا چرکا لگا۔ ذرا سا خون نکل آیا۔ گال پر اور اُسے تھوڑی سی سوزش بھی محسوس ہوئی اور ساتھ ہی بقول اس کے، اُسکے دماغ کے چودہ طبق روشن ہو گئے ۔

جلدی جلدی شیو بنا کر وہ پتلون قمیض پہن ٹائی لگا کر نیچے بھاگا ڈائنگ روم میں پہنچا ..

میز سجی ہوئی تھی لیکن پلیٹوں اور توشوں سے سوندھی خوشبوؤں کے بجائے داغ کی چڑانڈ کی بو آ رہی تھی ۔

یعنی جمال خاں ابھی پرابلم تھا ۔

محمود نے جلدی جلدی کھچڑی زہر مار کی اور جیسے تیسے پاپڑ چٹنی اور اچار کی مدد سے کام چلا لیا ۔ اور ناشتہ برخواست ہوتے ہی گیرج کی طرف بھاگا ۔

اُسے شہرت ایک چیز لے آئی تھی ۔

ساڑھے بارہ بجے وہ اپنی اسپورٹس کار میں افتاں و خیزاں شہامت کاٹیج میں داخل ہوا۔

بہت خوش تھا۔ اُسے ابوالفرح میں ہمت و جرأت پیدا کرنے کی انوکھی ترکیب سوجھ گئی تھی۔۔

وہ ابوالفرح حسینی کو چکمہ دے کر وسکی پلا کر جلسہ میں بھیجنا چاہتا تھاکہ تاکہ نشہ کی ترنگ میں اگر وہ صرف ماحول سے متاثر ہو کر رہ جائے۔ اور صرف اُس کا شعور باطنی کام کرے۔

اور وہ جانتا تھا کہ اُسکے لاشعور میں صرف نعیمہ ہے نعیمہ۔

اور محمود کا ارادہ تھا کہ عینکی کو وسکی کے ۲، ۳ پگ پلا کر اُسے جلسہ کی صدارت کے متعلق اچھے پیچ سمجھا کر بھیج دے۔۔

تقریر اچھی کرے گا یا نہیں اِس کی فکر نہیں تھی۔ اور اس بات کا اطمینان کہ وہ کرسی صدارت سے اٹھ کر نہیں بھاگے گا۔

دوپہر کے کھانے پر بتایا گیا کہ۔ بلکہ کھانے نے خود ثابت کر دیا کہ جمال خاں نے نوکری چھوڑنے کا ارادہ ترک کر دیا ہے۔

محمود کی ایک الجھن دور ہو گئی تھی۔

کھانا ختم ہو لینے کے بعد۔ اُس وقت ایک بج کر ۱۰ منٹ ہو رہے تھے۔

چچی بیگم نے بتایا کہ جلسہ ۳ بجے سے ہے اور وہ ڈھائی

بجے کاٹیج سے روانہ ہوں گی اور ان کے ساتھ کار میں چچا جان کے علاوہ صرف مجوزہ صدر جناب ابوالفرج حسینی صاحب جائیں گے۔

اور خلاف توقع ابوالفرج نے بوکھلانے کی بجائے انتہائی پرسکون لہجے میں کہا کہ وہ سوا دو بجے بالکل تیار رہے گا۔

میز سے اٹھتے ہوئے ابوالفرج نے اُس سے کہا کہ وہ چند منٹ بعد اس کے کمرے میں آکر اُس سے بات کرے گا۔

"اچھی بات ہے۔ میں انتظار کروں گا۔" محمود نے کہا۔

وہ اُسے وسکی پلانے کا۔ جسکی بوتل وہ شہر سے لے آیا تھا۔ موقعہ ڈھونڈھ ہی رہا تھا۔

سیڑھیاں چڑھتے ہوئے محمود نے اپنے آپ سے کہا۔

"سو یتیم تو پھنس گیا۔ تقویت قلب کی ٹانک بتا کر پیگ پلا ہی دوں گا۔ آگے جو ہوگا دیکھا جائیگا۔"

قریباً آدھ گھنٹہ بعد کسی نے زور زور سے اس کے کمرہ کے آدھ کھلے دروازے کو کھٹکھٹایا۔

"اندر آجاؤ۔ کون ہے؟"

"ما بدولت ہیں۔ ابوالفرج حسینی دی عظیمی۔" ابوالفرج نے پاٹ دار آواز میں دروازہ میں سے اندر آتے ہوئے کہا۔

اور محمود کے ہاتھ میں سے ہیمنگوے کا ناول "فار ہوم دی بل ٹالس" چھوٹ کر گر گیا۔۔

کیونکہ نہ صرف ابوالفرح نے غیر متوقع طور پر عجیب سے بات کہی تھی بلکہ وہ چل بھی اور عجیب انداز سے رہا تھا۔

مست ہاتھی کی طرح وہ جھومتا جھامتا ہوا اُس کے پلنگ پر آکر دھم سے بیٹھ گیا۔

اور بولا۔

"مائی ڈیر محمود۔ کہو مزاج تو اچھے ہیں۔"

"ہاں" محمود نے اور زیادہ متعجب ہونے کہا۔

غریب ڈر رہا تھا کہ کہیں جلسہ کی صدارت کے روح فرسا تصور نے ابوالفرح کے دماغ کی کوئی کل تو ڈھیلی نہیں کر دی۔

"تم سمجھتے تھے کہ میں جلسہ کی صدارت نہیں کر سکوں گا؟"

"نہیں۔ تو۔۔۔ ہیں۔"

"ما بدولت کے سامنے جھوٹ مت بولو سو تم اب مجھے دیکھو جلسہ کی صدارت کرنا اور تقریر کرنا تو کیا کہو تو وہاں گانا بھی گاؤں۔"

"گانا گاؤ گے؟"

"یا کہو تو رو دوں۔"

"روؤ گے؟"

"کہو تو کسی کی ٹھکائی کر دوں؟"

"ٹھکائی کرو گے۔"

"ایک کی نہیں وقت واحد میں دو دو کی ٹھکائی کر دوں۔"

"ہم۔" محمود نے ٹھنڈی سانس بھری۔

وہ اسی دوران میں نتھنوں پر بار ڈال کر اپنے دل میں پیدا ہونے والے ایک شبہ کی تصدیق یا تردید کی کوشش کر رہا تھا۔ اور اب اُسے کامیابی ہو گئی تھی۔

ابوالفرح کے منہ سے شراب کی بو کی بھبکار آ رہی تھی۔

"ہم۔ غم۔ تم۔ شم۔" ابوالفرح نے بکنا شروع کیا۔

محمود نے فوراً آگے بڑھ کر اُس کی گردن ناپی اور چیخ کر بولا۔

"ابوالفرح۔ تم نے پی رکھی ہے۔"

"ہاں۔" ابوالفرح نے اطمینان سے کہا۔

"کیوں۔"

"جلسہ میں تقریر کرنے کی جرأت پیدا کرنے کے لئے۔"

"ہم۔ تمہیں یہ کیسے سوجھی۔"

"اسلم صاحب نے مشورہ دیا تھا۔" وہ نشہ میں تھا مگر محمود سے اس قدر مرعوب تھا ذہنی طور پر کہ قریباً اپنے آپے میں نہ ہونے کے باوجود محمود کا اُسے پورا پورا لحاظ تھا اور وہ اُسکی باتوں کا صحیح صحیح جواب دے رہا تھا۔

"ہم۔ ہم۔" محمود دانت پیس کر رہ گیا۔

"شراب کہاں سے ملی۔ کون لایا۔"

"تمہارے چچا ابا کی لائبریری میں بوتل رکھی تھی۔"

"ہم۔۔ ہم۔" محمود صرف غرا کر رہ گیا۔

"ہم۔ ہم۔ یہ کیا رٹ لگا رکھی ہے۔ اب بتاؤ میں تقریر کر سکتا ہوں یا نہیں۔ تم پر لعنت ہو جلدی بتاؤ۔"

"ورنہ میں تم پر ہزار بار لعنت بھیجوں گا۔ سمجھے۔"

"اوہ۔ تقریر کرنا تو کیا تم سب کچھ کر سکتے ہو۔"

"سب کچھ کر سکتا ہوں۔" اُس نے دہرایا۔

"ہاں۔"

"تو پھر۔ تو پھر میں چلا۔" اور وہ کمرہ سے بے تحاشا بھاگ نکلا۔

اُس کے جانے کے ایک دو منٹ بعد محمود کو کچھ فکر ہوئی کہ یہ مدہوش عاشق کہیں ہلڑ نہ مچا دے اور وہ اُس کی تلاش میں نکل گیا ۵ منٹ میں۔ اُس نے چچی بیگم کے کمرہ سے لیکر لائبریری، اسلم کا کمرہ اور خود اُسی کا کمرہ اور ڈائننگ روم، ڈرائنگ روم کامن روم تک دیکھ لئے۔ لیکن ابوالفرح کا کہیں پتہ نہیں تھا تھک ہار کر اور جلسہ میں جانے کی تیاری کرنے کے لئے وہ دل ہی دل میں یا الٰہی خیر یا الٰہی خیر کی مالا جپتا ہوا اپنے کمرے میں داخل ہوا۔

اور ۔ اور اچھل پڑا۔

ابوالفرح اُس کے بستر پر بیٹھا گنگنا رہا تھا۔

" ہلو۔" اُس نے ۔ ابوالفرح نے ۔ محمود کو دیکھتے ہی کہا۔

" ہلو۔"

" میں نے پالہ مار لیا۔ میرے یار پالہ مار لیا۔ ہاؤ۔ آؤ۔"

" اف ۔"

" کیا ہوا ۔ میں نہیں سمجھا۔"

" تم پر لعنت ہو۔ لعنت ۔ ارے نعیمہ نے مجھ سے شادی کرنے پر رضامندی کا اظہار کر دیا۔"

" واقعی ۔"

" تمہارے سرِ عزیز کی قسم۔ اف ہائے ۔ آؤ۔"

محمود نے اُسے سینہ سے لگا لیا اور بغلگیر ہوا۔

" مبارک ۔ مبارک ۔"

" شکریہ ۔"

محمود نے گھڑی دیکھی اور تفصیلات پوچھنے کا ارادہ ترک کر کے حمام میں گھستا ہوا بولا۔

" میں ابھی تیار ہو کر آیا۔ منہ دھو لوں ۔"

تین چار منٹ بعد جب وہ حمام سے باہر آیا تو اُس کا دل کمرہ کا منظر دیکھ کر دہل گیا۔

کمرہ کے وسط میں فرش پہ وہسکی کی بوتل۔ چھوٹی بوتل (Quarter) خالی پڑی تھی۔

(اُس نے بوتل ابوالفرح کے انتظار میں سرہانے تکیہ کے نیچے رکھی تھی)۔

اُس کا مطلب یہ تھا کہ ابوالفرح کے پیٹ میں چار پیگ وہسکی اور اُتر چکی تھی۔

سوٹ پہن کر وہ نیچے اترا تو پتہ چلا کہ سب لوگ جلسے میں شرکت کے لئے جا چکے ہیں۔

اُس نے اطمینان کی سانس لی۔

ایک دو منٹ ڈرائنگ روم میں سگریٹ پیتے ہوئے ٹہلتا رہا۔ اور اُس کے بعد دوڑا ہوا گیرج میں گیا۔

اپنی اسپورٹس کار نکالی۔ اور پورٹیکو میں لا کر کھڑا کر دی اور پھر اوپر چلا گیا۔

چند منٹ بعد وہ اترا تو اُس کے ہاتھ میں سوٹ کیس تھا۔

وہ متوقع ہنگامی حالات کے مقابلہ کے لئے چند منٹ کے نوٹس پر شہر بھاگ جانے کے پوری طرح تیار تھا۔

قصبہ میں پہنچکر اُس نے سب سے پہلے اپنی کار میں پٹرول اور تیل ڈلوایا۔

سوٹ کیس کو وہ ڈکے میں پہلے ہی مقفل کر چکا تھا۔

وقت کافی گزر چکا تھا۔

جب وہ اسکول۔ حشمت گنج پرائمری اسکول پہنچا تو جلسہ شروع ہو چکا تھا۔

باب ۱۰

غیر محسوس طریقہ پر ہال میں داخل ہو کر وہ عقبی حصہ میں دروازے کے قریب کی ایک خالی نشست پر بیٹھ گیا۔

ایک داڑھی والے معمر سن بزرگ تقریر کر رہے تھے۔ اور ابو الفرح کرسی صدارت پر بیٹھا تھا بلکہ دراز تھا اور آنکھیں بند کئے ہوئے بظاہر بڑے غور سے سن رہا تھا۔

حسن اتفاق سے اس کے بیٹھنے کا انداز بالکل ایسا تھا جیسے کہنہ مشق صدر نشینوں کی ہوا کرتی ہے۔

اس کے دائیں ہاتھ پر چچی بیگم چچا جان۔ اور قصبہ کے ۲، ۳ معزز آدمی بیٹھے تھے۔ بائیں ہاتھ پر ایک دو مدرسین۔ اور ۲ دوسرے اصحاب تھے۔

بزرگ کی تقریر کے انداز سے محمود کو دوسرے لمحہ اس بات کا پتہ چل گیا کہ وہ اسکول کے ہیڈ ماسٹر ہیں۔

وہ کہہ رہے تھے۔

“پیارے بچو۔ ہاں تو جیسا کہ میں کہہ رہا تھا۔ ہمیں اس بات

کی بڑی خوشی ہے کہ آج کے جلسہ کی صدارت سرینڈپور کے مشہور و معروف رئیس جناب ابوالمفرح ۔"

"ابوالفرح ۔ ابو ۔ ال ۔ فرح" ابوالفرح آنکھیں کھول کر کرسی صدارت پر سے دھاڑا۔

مولوی صاحب چونک پڑے ۔ وہ گھبرا گئے تھے۔

"ابوالمفرح نہیں ۔ ابوالفرح ہے میرا نام" ابوالفرح نے انہیں تہدیدانہ انداز میں سمجھایا۔

"معاف کیجیے ۔ معاف کیجیے" مولوی صاحب نے اُس سے کہا اور پھر حاضرین جلسہ کی طرف مڑ کر کہنا شروع کیا۔

"تو جیسا کہ آپ جانتے ہیں آج کے جلسہ کی صدارت جناب ابوالفرح حسینی صاحب کر رہے ہیں ۔ اور جیسا کہ میں کہہ رہا تھا ۔"

"یہ کیا جیسا کہ میں کہہ رہا تھا کی رٹ لگا رکھی ہے آپ نے" جناب صدر نے مقرر کو ڈانٹا ۔ مولوی صاحب کا چہرہ زرد پڑ گیا۔ اور بچوں نے ہنسنا شروع کیا۔

مولوی صاحب نے منہ بنا کر "خاموش ۔ خاموش" کا نعرہ لگایا اور پھر پیشانی سے پسینہ پونچھتے ہوئے اپنی تقریر شروع کر دی۔

"جناب ابوالفرح صاحب جنکے نام سے آپ ناآشنا نہیں" یہاں مجھے سوائے دو تین کے کوئی نہیں جانتا ۔ آپ شاعرانہ

تعلّی کام نہ لیجئے۔ سیدھے سیدھے تقریر کیجئے۔ ابوالفرح نے پھر ڈانٹا اور آنکھیں بند کر لیں۔

ہال میں پھر ہنسی کی آوازیں گونج گئیں۔ نوعمر شیطانوں کو مزہ آرہا تھا اور ادھر اسٹیج پر اساتذہ کی بھنویں چڑھی جا رہی تھیں۔

چچی بیگم کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔

البتہ چچا جان مسکرا رہے تھے۔

ہیڈ ماسٹر صاحب نے چند سیکنڈ کے سکوت کے بعد خیریت اسی میں دیکھی کہ اسٹیج پر سے بھاگ جائیں۔ بولے "اب جناب صدر اپنے خیالات و احساسات کا اظہار کریں گے۔"

ہال دو منٹ تک تالیوں سے گونجتا رہا۔

اور جب شور کم ہوا تو محمود نے اسٹیج کی طرف ڈائس کی طرف نگاہ ڈالی۔

ابوالفرح مسکراتا ہوا اکڑ لمبے ہو کر سر کو خم کر رہا تھا۔

اور جب شور ختم ہو گیا تو اس کے ہونٹ ہلے۔

"حضرات و خواتین۔ اور بچو۔ آئی ایم ساری۔ خواتین و پیارے حضرات اور بچو"

بچوں نے تالیاں پیٹنی شروع کر دیں۔

ایک دو منٹ بعد خاموش خاموش کی للکاروں نے لڑکوں

اور لڑکیوں کو چپ کر دیا۔

" آئی ایم۔ ویری ساری۔ ہاں تو۔ خواتین۔ حضرات اور پیارے بچو۔ مجھے اس بات سے بہت خوشی ہو رہی ہے کہ میں آ گیا۔ اس ڈائس سے آپ کو مخاطب کر رہا ہوں۔ خوشی کیوں ہے۔ اس کی میں ابھی وضاحت کروں گا۔ بات دراصل یہ ہے کہ یہ بھئی کہ۔ مجھ سے گھنٹہ بھر پہلے تک کہا جا رہا تھا۔ کہ میں شاید ہی جلسہ میں تقریر کر سکوں گا۔ ہر شخص حسب توفیق مشورے دے رہا تھا۔ اور۔ اور۔ اور تو اور۔ جناب قبلہ نواب صاحب۔" اس نے انگلی سے چچا جان کی طرف اشارہ کیا " بھی فرما رہے تھے۔ کہ میں یہ کروں کہ اپنی عزت افزائی کا شکریہ دو تین لفظوں میں ادا کر کے تقریر ختم کر دوں۔

حضرات سوچئے تین لفظ پر کہیں تقریر ختم ہوتی ہے۔ نہیں۔ (تالیاں)

" اور۔ اور میرا دوست محمود الرشید۔"

اور محمود نے اٹھ کر باہر چل دینا چاہا لیکن ابوالفرح کی آواز نے اس کے پاؤں تھام لیے۔

" اماں محمود کہاں بھاگے جا رہے ہو۔"

اور محمود شرمندہ ہو کر اپنی کرسی پر بیٹھ گیا۔

جناب صدر کا سلسلۂ کلام جاری ہو چکا تھا۔ گو بچوں کی ہنسی کی آواز تھمی نہیں تھی۔

" صاحبان یہی ہے وہ دوست دیکھا نا آپ نے ۔ یہ حضرت مجھ سے تین روز سے کہہ رہے تھے ۔ کہ میں تقریر کیسے کرسکوں گا ۔ ہا ہا ہا ۔ آہ ۔ غریب اپنی عادت سے مجبور تھا ۔" اور یقین مانیئے کہ ان کی ریشہ دوانیوں کی بدولت جلسے کے تصور سے دو روز سے میں سویا نہیں تھا ۔ (تالیاں اور قہقہے) لیکن ۔ لیکن مجھے تقریر کرنی ضروری تھی ۔ ایک خاص سبب تھا ۔

" جس کا اظہار میں ضروری نہیں سمجھتا ۔"

محمود نے اطمینان کا سانس لیا کہ نشہ کے باوجود ابو الفرح کا دماغ کچھ تو کام کر رہا ہے ۔ اور ساتھ ہی ڈائس پر نظر ڈالی ۔

چچی بیگم اور دوسرے مہمان بے چینی سے پہلو بدل رہے تھے ۔ البتہ چچا جان اب بھی مسکرا رہے تھے ۔ انہیں شاید لطف آ رہا تھا ۔

" ہاں تو پیارے بچو ۔" فاضل اجل جناب صدر کہے جا رہے تھے ۔

" یہ آدمی ۔ میرا دوست ۔ جس کا نام محمود الرشید ہے ۔ بڑا عجیب آدمی ہے ۔ بہت گرینڈ ۔ لیکن ساتھ ہی سچا بھی ہے ۔ دوستوں کو مشورے دیتا ہے تو اس کی فیس بھی لیتا ہے سینما ، ہوٹل وغیرہ کے بل کی صورت میں ۔ مگر ہے اچھے دل کا آدمی ۔ آڑے وقت میں دوستوں کا ایسا ساتھ دے گا کہ کیا بتاؤں ۔"

اور محمود لوگوں کی نظریں اپنی جانب اٹھتی دیکھ کر ۔

کیونکہ ابو الفرح اطمینان سے انگلی سے مسلسل اسی جانب اشارہ کئے جا

جا رہا تھا۔ کرسی سے اٹھ کر دبے پاؤں ہال سے باہر نکل گیا۔

لیکن اُس کا دل نہیں چاہا کہ ابوالفرح کی فصاحت و بلاغت سے محروم رہ جائے۔ اُسے کچھ کچھ مزہ بھی آ رہا تھا۔ دروازے کے باہر کھڑے ہو کر اُس نے کان لگا دیئے اور دروازے کی اوٹ سے جھانکنے لگا

ابوالفرح کہے جا رہا تھا:

"ہائے۔ اف۔ وہ۔ وہ بھاگ گیا۔ ارے۔ اے۔ (تالیاں اور ہنسی کی آوازیں) ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ وہ شیطان مجھے بہکا رہا تھا"

چچی بیگم سے رہا نہیں گیا۔ انہوں نے ہاتھ بڑھا کر ابوالفرح کی پشت چھوا اور اُسے متوجہ کر کے دبے الفاظ میں کچھ کہا۔ غالباً اُسے موضوع مزید نہ بہکنے کو کہہ رہی تھیں۔

چند سکنڈ بعد ابوالفرح پھر جاری ہو گیا۔

"پیارے بچو۔ دوستو۔ بزرگو اور خواتین۔ معاف کیجئے گا میں موضوع سے ہٹ گیا تھا۔ ہاں تو مولوی صاحب" وہ ہیڈ ماسٹر صاحب جانب متوجہ ہو گیا: "یہ جلسہ کس سلسلے میں ہو رہا ہے"

"جی یہ سالانہ جلسہ ہے۔ اور تقسیم انعامات کا بھی معاملہ ہے"

"اف۔ اوہ آہ۔ تو شکریہ۔ حاضرین محترم۔ میں اب اصل موضوع کی طرف آ جاؤں گا۔ تعلیم۔ تعلیم کی اہمیت موجودہ دور میں ہے۔ یہ میں آپ کو مختصر الفاظ میں بتاؤں گا (تالیاں)"

اور چند منٹ تک ابوالفرح نے تعلیم کی اہمیت پر انٹ سنٹ

ہانکی اور لڑکے لڑکیاں ہنستے اور مچلاتے رہے۔

پھر اُس پر روحانیت کا غلبہ ہو گیا۔ اور وہ بہک گیا۔ بچو۔ اب تمہارا تعلیمی سال ختم ہو چکا ہے۔ تم گھر چھٹیاں منانے جاؤ گے۔ چھٹیاں خوشی کا پیغام لے آتی ہیں۔ خوشی پر یاد آیا کہ دنیا میں آج کل صرف خوشیاں ہی خوشیاں ہیں۔ ہر طرف خوشیاں ہی خوشیاں ہیں۔ ہر طرف۔ کیوں اس لیئے کہ دل میرا مگن ہے۔ دل کیوں مگن ہے۔ مسرور ہے۔ یہ۔ یہ۔ ایک پرائیوٹ بات ہے۔ ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ دنیا بہت خوبصورت چیز ہے۔ اس لیئے آپ بھی موج اڑائیے۔"

بچی بیگم نے اُسے پھر ٹوکا۔ اور وہ بڑبڑا گیا۔

"میرے عزیزو! یہ دنیا جس میں تمہیں اپنی تعلیم ختم کر کے بڑے ہو کر قدم رکھنا ہے بہت اچھی جگہ ہے۔"

لیکن ہیڈ ماسٹر صاحب نے معاملہ سنبھال لیا۔

"جناب صدر، معافی چاہتا ہوں۔ وقت کم ہے۔ اس لیئے بہتر ہوگا کہ آپ تقریر ختم کر کے انعامات کی تقسیم شروع کر دیں۔"

"اچھا۔ اچھا۔"

ہیڈ ماسٹر صاحب نے فہرست میز پر سے اٹھالی اور پکارا:

"اختر حسن جماعت چہارم۔ تمام مضامین میں اول رہا۔"

"تمام مضامین میں اول رہا۔ خوب۔ اختر حسن آؤ۔" ابوالفرح نے کہا

اختر حسن اوپر ڈائس پر چڑھا۔

" ۱۲ سال کا دبلا پتلا سا لڑکا تھا۔ بھرے بھرے جسم والا۔ سرخ و سفید۔

"تم ہی اختر حسن ہو۔"

"ہاں جناب" بچہ سہم کر بولا۔

"خوب۔ ماشاءاللہ"

"جی"

"یہ دنیا بہت خوبصورت ہے نا۔ کیا خیال ہے۔ تمہارا"

"جی ہاں جناب"

"تمہاری شادی ہو چکی ہے" اسمیں سنتے سنتے بامراد عاشق کی روح [illegible] تھی۔

"جی نہیں" لڑکا پریشان ہو کر بولا۔

"بہت بری بات ہے۔ جسقدر ہو سکے جلد شادی کر لو۔ اور تم انعام لینے آئے تھے نا"

"ہاں جناب"

"تو یہ لو یہ بھی ہے نا ہیڈ ماسٹر صاحب" ابو الفرح نے میز سے ایک کتاب اٹھا کر کہا۔

تالیوں کی گونج میں اختر حسن ڈائس سے اتر کر بھاگا۔

اسکے ابو الفرح کوٹ کی جیب میں ہاتھ ڈالے منہ پھاڑے آنکھیں بند کئے پھر وہ مراقبہ میں چلا گیا۔

اور نیچے عوام میں حاضرین میں اُس کے رویہ پر چہ میگوئیاں ہو رہی تھیں۔

ہیڈ ماسٹر نے ایک اور نام پکارا۔

اور ایک لڑکا ڈائس پر آ گیا۔

اس کے قدموں کی آہٹ سے ابوالفرح نے آنکھیں کھولیں اور بولا۔

"تم یہاں کیوں آئے ہو"

"جی" لڑکا سراسیمہ ہو گیا۔

"یہ انعام لینے آیا ہے" ہیڈ ماسٹر صاحب نے کہا۔

"جماعت سوم میں اول ہے۔ ریاضی میں ننانوے نمبر لئے ہیں۔"

"اوہ۔ بہت اچھے۔ اف۔ لڑکے یہ لو اپنا انعام۔"

لڑکے نے انعام لیا اور اُس سے ہاتھ ملا کر واپس ہو ہی رہا تھا کہ اُسے رک جانا پڑا۔

کیونکہ ابوالفرح نے اُسے ٹوک دیا۔ "ٹھہرو۔ بھاگے کہاں جا رہے ہو۔ میں تم سے ایک سوال پوچھوں گا۔

"جی"

"تیرہ کا پہاڑہ سناؤ۔"

لیکن ہیڈ ماسٹر نے پھر مداخلت کی اور لڑکے کو ڈائس سے

نیچے اتار دیا۔

"احسن اللہ" انہوں نے پکارا۔

ایک میلا کچیلا سا لڑکا ڈائس پر آیا۔

"ہم۔ تو تم احسن اللہ ہو؟"

"ہاں جناب" لڑکے نے کہا۔

"ہاں جناب۔ کیا مطلب ہے تمہارا؟" ابوالفرح پر وحشت کے آثار پھر ظاہر ہونے لگے۔

"جی۔ جی"

"تم کس سلسلہ میں اول آئے ہو؟"

"یہ ڈرائنگ میں فرسٹ آیا ہے" ہیڈ ماسٹر صاحب نے کہا۔

"خوب۔ خوب۔ لیکن احسن تم ہو [illegible] آرٹسٹ نظر نہیں آتے۔"

لڑکے نے کوئی جواب نہیں دیا۔

"تصویر کھینچ کر دکھاؤ؟"

لڑکا چپ رہا۔

"ہشت۔ تم اس کا مطلب یہ ہے کہ تم۔ تم۔ تمہارا انعام نہیں دیا جانا چاہئے"

"جناب" مولوی صاحب نے مداخلت کی۔

"ہشت۔ لعنت ہے۔ ہاہ۔ ہاہا۔ مجھے ایک لطیفہ یاد آ گیا۔

میرے دوست محمود نے بھی ایک بار ڈرائنگ میں پہلا انعام لیا تھا۔

جانتے ہو کس پر۔

کتاب کا ٹائیٹل بنانے پر۔

اس نے بال جبریل کا ٹائیٹل بنایا تھا۔

ایک ٹیڑھی سی ترچھی لکیر کھینچ دی۔ اور اور ڈرائنگ ماسٹر کو بھی بہت پسند آئی۔

اور محمود سے وہاں ٹھہرا نہیں گیا۔

کار اسٹارٹ کرتے ہوئے اس نے سوچا کہ شہر بھاگ جائے، لیکن پھر۔ پھر اسے خیال آیا کہ ذرا معاملات کا اینٹی کلائمکس بھی دیکھا جائے۔

اور وہ شہر جانے کی بجائے شہامت کاٹیج کی طرف مڑ گیا۔

کار گیرج میں چھوڑ کر وہ اسکیمیں بنانے کی فکر میں جھیل کی طرف چلا گیا۔

باب ۱۱

گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ بعد جب وہ جیل سے لوٹ کر آیا تھا تو اُسے ابوالفرح ملا۔

"ہاؤ۔۔ اف۔ لعنت ہو۔ کہاں تھے تم۔ گھنٹہ بھر سے تمہیں ڈھونڈ رہا ہوں۔"

"کیوں ڈھونڈ رہے تھے؟"

"ہائے۔ آہ۔ بس جینا بے کار ہے۔"

"کیا ہوا؟"

"نعیمہ۔ نعیمہ نے مجھ سے روابط توڑ لئے۔ اف۔"

"کیوں؟"

"میری تقریر اور صدارت سے وہ بہت بگڑ گئی ہے۔"

"ہم۔ تو۔ تو۔" محمود نے سر کھجایا۔

"لعنت ہو تم پر۔ لعنت ہو اف۔" اور وہ بال نوچنے لگا۔

"نہ۔ نہ۔ مائی ڈیر۔ جینکی۔ فکر مت کرو۔ محمود جب تک زندہ ہے۔ تمہیں کیا فکر ہے۔"

اور وہ اُس کی پیٹھ تھپکتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

بیس پچیس قدم بھی نہ چلا تھا کہ راشدہ ملی۔

"محمود بھائی۔ آپ۔ آپ نے ابوالفرح صاحب کو دیکھا ہے؟"

"ہاں۔ فکر کیوں؟"

"کچھ کام ہے جلدی سے بتائیے۔"

"وہ وہاں جھیل کی طرف ہوگا۔ میں ابھی اُس کے پاس سے آیا آرہا ہوں۔"

"اوہ۔" اور راشدہ تیزی سے آگے بڑھ گئی۔

محمود نے ایک لحظہ کے لئے سوچا کہ راشدہ کو ابوالفرح سے کیا کام ہو سکتا ہے۔

پھر وہ ابوالفرح اور نعیمہ کے متعلق اسکیمیں بنانے لگا۔

پھر پکنک میں اُس کی مڈبھیڑ چچی بیگم سے ہو گئی۔

"محمود کہاں تھا تو۔" وہ چیخیں۔ اُن کی آواز میں ارتعاش تھا۔

"جی۔"

"ہا ہو۔ اوہ۔ محمود۔"

"چچی بیگم۔" وہ ایک جست لگا کر اُن کے پاس پہنچا۔ "آپ۔"

"آپ۔۔"

"میں بہت پریشان ہوں لڑکے۔ تجھے پتہ ہے شہامت کالج میں کیا انقلاب آیا ہے"

"پتہ نہیں"

"راشدہ ابوالمفرح سے شادی کرنے کے لئے کہہ رہی ہے"
چچی بیگم ابوالفرح کو ہمیشہ ابوالمفرح کہتی تھیں۔

"چچی بیگم" محمود چیخا۔
یہ اطلاع خبر نہیں بم تھی۔

"لڑکے۔ ہائے۔ یہ کیا ہو گیا۔ آہ۔ یہ سب تیری وجہ سے ہوا" وہ ہانپتی ہانپتی ہوئی بولیں۔

"میری وجہ سے"

"ہاں۔ نہ تو ابوالمفرح کو شہامت کالج بھیجتا نہ یہ قصہ ہوتا۔ ہائے۔ میری اکلوتی بیٹی۔ اُس احمق سے شادی رچائیگی۔ میں اُس پاجی کی ساس کہلاؤں گی۔ ہائے"

"چچی بیگم۔۔ اتنا مت گھبرائیے۔ جب تک بندہ سلامت ہے"

"لڑکے کچھ کر۔"

"خدا کے لئے کچھ کر۔ اُس سرپھری لڑکی کو سمجھا۔ اپنی ساری اسکیم اور اپنا حیلہ بہانہ کام میں لا"

"بالکل لاؤں گا۔ اچھا اب میں چلا۔ راشدہ کو پکڑ دوں گا۔ آپ گھبرائیے مت۔ بالکل مت گھبرائیے۔"

اور وہ پلٹ کر جھیل کی طرف بھاگا۔

حسن اتفاق سے راشدہ اُس وقت تک ابو الفرج کی تلاش میں تھی اور جھیل کے گھاٹ سے لوٹ کر باغ کی طرف جا رہی تھی۔

"راشدہ" اُس نے اُسے ٹوکا۔

"جی"

"محمود بھائی"

"تم جا رہی ہو؟ مجھے تم سے کچھ پوچھنا ہے" وہ گمبھیر لہجہ میں بولا۔ اس کے ذہن میں تلاطم بپا تھا۔ واقعی اُس کے لئے راشدہ کی ابو الفرج جیسے کم ہمت اور بزدل سے شادی کا تصور ہی روح فرسا تھا۔

"کہئے۔ کیا ہے" راشدہ اُس کے لہجے سے متاثر ہو کر بولی۔

"یہ۔ یہ تمہارے بارے میں کیا سن رہا ہوں؟"

"کیا سن رہے ہیں آپ؟"

"ابو الفرج اور تمہارا قصہ؟"

"اوہ۔ یہ۔ کہیے میرا انتخاب کیسا ہے؟" راشدہ نے ہنس کر پوچھا۔

"ہُم"

"اس گدھے کے انتخاب سے تمہارا مقصد اگر اسلم کو جلانا ہے تو تمہارا یہ رُخ تو بہت ٹھیک ہے، بہت ٹھیک۔"

“ تو کیا اس سے جل اٹھے گا؟ ”

“ ہاں ۔ ”

“ تو پھر بہت اچھی بات ہے ۔ ”

محمود نے دیکھا کہ یوں گاڑی نہیں چلے گی ۔ اس لیے اُس نے انداز تکلم بدل دیا ۔

“ بولا ۔ ” بے وقوف نہ بنو لڑکی ۔

“ میں بے وقوف نہیں ہوں ۔ ”

“ تم ۔ تم گدھی ہو ۔ ”

“ محمود بھائی ۔ زبان سنبھالیے ۔ ” راشدہ غصہ ہوتے ہوئے بولی ۔

محمود نے دیکھا کہ اب تو بات یکدم بگڑ گئی ۔ کہنے لگا ۔ “ تم ۔ تم اسلم کی زندگی تباہ کر رہی ہو ۔ تمہیں کچھ تو خیال ہونا چاہیئے کہ ۔ ”

“ آپ ۔ آپ اسلم کی وکالت کیوں کر رہے ہیں ۔ اب کل رات ملیں؟ ”

“ کل کی بات ۔ اور سنو ۔ ” محمود کھسیا کر بولا ۔

“ ہم ۔ محمود بھائی ۔ میرے ذاتی معاملات میں آپ کو دخل دینے کا اختیار کس نے دیا ہے ۔ ” راشدہ نے بھی پینترا بدل دیا ۔

“ ہم ۔ ” محمود نے کہا ۔ لیکن اسنے سمجھ لیا تھا کہ اب مزید سمجھانا حماقت ہوگی ۔

بولا “ ٹھیک ہے ۔ جہنم میں جاؤ مجھے کیا ۔ ”

وہ چڑ گیا تھا ۔

وہ راشدہ کے پاس سے بہت دل گرفتہ چلا۔ راشدہ سے ملاقات کے تعلق سے اُسنے جو اسکیمیں بنائی تھیں اُن ہی سے ایک کو بھی وہ بروئے کار نہ لا سکا تھا۔ اور راشدہ یکدم مجھ سے اکھڑ گئی تھی۔

اُسے تعجب ہو رہا تھا کہ راشدہ جیسی ذکی اور فہیم لڑکی یہ کیا کر رہی ہے۔

"ہاؤ۔ یہ لڑکیاں۔ معمہ ہوتی ہیں بالکل معمہ اور وہ بھی الٹا۔ سیدھا جسکا کوئی حل نہیں ہوتا۔" اُسنے سوچا۔

ڈنر کے آدھ گھنٹہ بعد چچی جان نے اُسے علیحدہ لے جا کر ابوالمفرح کی تقریب کے متعلق ڈانٹ پلائی۔

لیکن تین چار گالیاں دے کر پھر وہ اپنی بیٹی کا دکھڑا رونے لگیں۔ پھر یہ سلسلہ جلد ہی ختم ہو گیا۔

بٹلر فیروز نے آن کر مداخلت کی۔ "سرکار"

"کیا ہے۔ فیروز"

"ذرا۔ خانہ زادوں کے کوارٹر کی طرف تشریف لے چلئے"

"کیوں" محمود نے پوچھا۔

"وہ۔ وہ ابوالمفرح صاحب جمال خاں کے کمرہ کی چھت پر چڑھے ہوئے ہیں۔ اور روشندان میں سے سر ڈال کر اسی سے جھگڑ رہے ہیں

"فیروز" چچی بیگم نے تہدیدی انداز میں کہا۔

"حضور خود چل کر دیکھ لیجئے گا۔"

"اوہ۔"

"اور جمال خاں پشتو میں نہ جانے کیا بک رہا ہے اور اوپر سے ابوالفرح صاحب انگریزی میں چیخ رہے ہیں۔"

"آہ محمود۔ خدا غارت کرے تجھے۔ اور تیرے دوست کو۔ ہائے اگر جمال خاں پھر بگڑ گیا تو۔ صبح بڑی منت سماجت کے بعد راضی ہوا تھا۔" چچی بیگم نوکروں کے کوارٹر کی طرف لپکتی ہوئی بولیں۔

اور واقعی ابوالفرح چھت پر سے روشندان کے ذریعہ نیچے جھانک رہا تھا۔

اور ہاتھ ہلا ہلا کر لایعنی انداز میں کچھ کہہ رہا تھا۔ شیشہ کے درمیان میں حائل ہونے کی وجہ سے اُس کی آواز صاف صاف نہیں سنائی دے رہی تھی۔

"کیا ہوا جمال خاں۔" چچی بیگم نے پوچھا۔

"جی۔ جی۔ سرکار۔ پتہ نہیں کیا ہوا ہے صاحب۔ دیوانوں کی طرح سے روشندان کی شیشہ کی چھت بجا رہے ہیں۔ آدھے گھنٹے سے سویا ہوا تھا۔ ٹھک ٹھک کرتے اور یکدم یہ چھت پر دوڑنے لگے۔ میرا! ۔ ہارٹ فیل ہوتے ہوتے رہ گیا۔ بستر سے ہڑبڑا کر اٹھا اور دیکھتا ہوں کہ....

"اوہ۔ لیکن آخر اس طرح چھت پر چڑھنے سے ابوالفرح کا مقصد"

چچی بیگم نے پوچھا۔

اور اوپر روشندان میں سے ابوالفرح کو جو اپنے یار وفادار محمود الرشید نظر آ گئے تو وہ اور بھی اچھلنے کودنے لگا۔ ہاتھ ہلا ہلا کر کچھ کہہ رہا تھا۔

”ہاں۔ بیگم صاحبہ۔ آپ دیکھ رہی ہیں۔ ضرور دماغ چل گیا ہے۔ صاحبزادے میں نے شہامت کاٹیج میں۔ ۱۲ سال میں سینکڑوں مہمان دیکھے لیکن آپ کے اِن دوست کا سا نہیں دیکھا“ جمال خاں نے کہا۔

”محمود“ چچی بیگم بھتیجے سے مخاطب ہوئیں۔ ”یہ یہ تمہارا دوست بالکل پاگل معلوم ہوتا ہے۔ میرے معبود۔ یہ تو روشندان توڑ دے گا۔ اور پھر اپنا سر ورر توڑ کر مر تو نہیں جائے گا۔ ہائے۔ کیا خوب دوست ہے تمہارا۔“

”ہم۔ ہم“ محمود نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

معاملہ کچھ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔

”محمود۔ میں تمہیں پانچ منٹ دیتی ہوں اس پاگل کو نیچے اتروا دو ورنہ۔“

”اچھی بات ہے۔“ اُس نے کہا۔ ”اور۔ اور آپ جمال خاں کو لے کر ذرا دیر کے لئے باہر چلی جائیے۔ میں۔ میں تنہائی میں اُس سے بات کروں گا۔“

چچی بیگم منہ بناتی ہوئی جمال خاں کو ہمراہ لے کر باہر چلی گئیں۔

محمود نے اشاروں میں باتیں شروع کر دیں۔

”اوپر کیا کر رہے ہو؟“ اُس نے اشاروں میں پوچھا۔

”میں کہ تم سنوری اشارے میں جواب ملا۔ تم تم۔ محمود نے ہاتھ ہلا کر اشارہ کیا

”او۔۔ میں۔ میں۔“

”ہاں۔ ہاں“ محمود نے گردن ہلائی۔

”نیچے اتر کر بتاؤں گا“

ابوالفرح کا اضطراب کم ہو چلا تھا۔

”اچھا۔ اچھا“ محمود نے ہاتھ ہلا کر اُسے اطمینان دلایا۔

اور پھر چپ چاپ کھڑے رہنے کی تلقین کر کے وہ کمرے سے باہر نکلا۔

چند منٹ کے بعد وہ کوارٹر کے پچھواڑے ابوالفرح کو چھت پر سے سیڑھی کے ذریعہ اتروا رہا تھا۔

نامعقول۔ تم۔ تم چھت پر کیا کر رہے تھے۔ اور چڑھے کیسے؟

”وہ۔ وہ۔ اف۔ ہائے۔ اسلم صاحب سے بچ کر بھاگ رہا تھا“

”اسلم سے؟“ محمود نے پوچھا۔

”ہاں۔ وہ۔ وہ۔ راشدہ کا معاملہ۔ ہائے۔ اف لعنت ہو۔

وہ۔ وہ شخص تو دیوانہ ہو گیا ہے۔ میں نے سارے نوکروں کے کوارٹر کا چکر کاٹا۔ باغ سے وہ میرے پیچھے بھاگتا آیا تھا۔"

"لیکن کیوں۔"

"لعنت ہو تم پر۔ راشدہ سے میری تعلقات و روابط سے وہ آگ بگولہ ہو گیا ہے۔"

"اوہ۔ یہ بات ہے۔ اب میں سمجھ گیا۔" محمود معاملہ سمجھ گیا تھا

"لعنت ہو تم پر۔ کیا سمجھے۔ ابھی میں نے پورا قصہ ہی نہیں سنایا۔"

ابوالفرح میں مفصل گفتگو کرنے کی عادت کے آثار اسی پریشانی کے عالم میں بھی پائے جاتے تھے۔

"آہ۔ سناؤ۔ سناؤ۔" محمود جلدی سے بولا۔

دونوں دوست مرکزی عمارت کی طرف بڑھ رہے تھے۔

"جیسے ہی میں ڈنر کے بعد باہر نکلا۔ اسلم نے۔ مجھے باغ میں چلنے کو کہا۔ اف۔ ہائے۔ ہائے۔ میں تمہیں تفصیلات بتا رہا ہوں۔ — مختصراً۔ اور میں اس کے ساتھ چل پڑا۔ باغ میں پہنچتے ہی اس نے میرا گریبان پکڑ لیا دو تین مکے مارے اور کہنے لگا۔ جان سے مار دونگا میری راشدہ کو مجھ سے چھینا ہے تم نے۔ میں نے بڑی مشکل سے گریبان چھڑایا اور بھاگا۔"

محمود سے ہنسی ضبط نہ ہو سکی۔

کھک۔ کھک۔ کی آواز سے ابوالفرح ٹھٹھک گیا۔ "تم ہنس

رہے ہو۔ تم پر لعنت ہے۔"

"نہیں۔ میرے دوست۔ میں۔ میں بات یہ ہے میرا گلا خراب ہے اور کھانسی آ رہی تھی۔"

"ہم۔ ہم۔ اف۔ ہاۓ۔ آہ۔ تو میں کہہ رہا تھا کہ میں بھاگا۔ اور وہ میرے پیچھے پیچھے تھا۔ اِدھر اُدھر دیکھ کر میں نوکروں کے کوارٹروں کی سمت چلا کہ کہیں چھپ جاؤں مگر وہ موٹا شیطان سائے کی طرح پیچھے لگا تھا۔ اف۔ لعنت ہے۔"

"کس پر۔"

"تم پر۔ مجھ پر۔ سب پر۔ چپ چاپ سنتے جاؤ۔ خبردار جو کچھ کہا میں بھول جاؤں گا تو تمہیں تفصیلات کس طرح بتا سکوں گا۔"

"ہاں۔" محمود نے رومال اپنے منہ میں اور اندر ٹھونستے ہوئے کہا

"اور۔ اف۔ ہاۓ۔ کوئی پناہ گاہ نہیں ملی۔ تو پھر، مرغیوں کے ڈربہ۔"

"کے اندر گھس گئے" محمود نے معصومیت سے پوچھا۔

"نہیں۔ کوشش ضرور کی۔ لیکن دروازہ تنگ تھا۔"

محمود کا جی چاہا کہ سر پیٹ لے۔

"اور۔ اور اف۔ ہاۓ۔" ابوالفرح کہے جا رہا تھا۔ "اور میں اس پر چڑھ کر پھر کوارٹروں کی چھت پر چڑھ گیا۔ اور۔ اور پلٹ کر دیکھتا کیا ہوں کہ اسلم جی گالیاں بکتا ہوا، چنگھاڑتا ہوا۔

اُسی پہ لعنت ہے۔ ہزار بار لعنت ہو۔ چھت پر چڑھ رہا ہے۔ میں آگے کو بھاگا۔ دیکھا کہ سامنے چھت ختم ہو رہی ہے۔

۔ میں پھر پلٹ پڑا۔ اسلم چھت پر آ چکا تھا۔

"میں نے سامنے نگاہ ڈالی۔ سات آٹھ فٹ دور دوسری چھت تھی۔ اللہ کا نام لے کر میں نے اس پر جست لگا دی۔ منہ کے بل جا گرا۔

۔ اور۔ اور اچھا ہوا۔ چھت پر ویسے ہی پڑے پڑے میں نے دیکھا کہ پچھلی چھت پر سے اسلم نیچے جھانک رہا ہے۔ اف۔ ہائے۔ آہ۔ میں اسے نظر نہیں آ رہا تھا۔ لعنت ہے۔ وہ۔ وہ یہ سمجھ رہا تھا کہ میں نیچے کود کر بھاگ گیا۔ ہشت۔ میں اُس سے اتنا تھوڑی ہی ڈرتا تھا کہ نیچے کود کر بھاگ جاتا۔ میں نے کوئی چوری تھوڑی ہی کی تھی۔ موٹا۔ بے وقوف کہیں کا۔۔۔"

ابو الفرح نے ذرا منہ پھلا کر کہا۔

"ہاں۔ ہاں۔ تم اُس سے کیوں ڈرنے لگے۔" محمود نے اس کی تائید کی۔

"تو خیر سنو۔ ہائے۔ آہ۔ اف۔ اور وہ بکتا جھکتا چلا گیا۔ ۔ دو تین منٹ بعد۔ بلکہ پانچ منٹ بعد میں نے نیچے اترنے کی سوچی۔

اور۔ اور چھت زمین سے ۱۵ - ۲۰ فٹ سے کم اونچی نہیں تھی۔ کوئی ذریعہ نہیں تھا اترنے کا۔ یا ہو۔ لعنت ہے۔

اور اتنے میں میری نظر روشندان پر پڑی ۔ لاکھ کوشش کی کہ اُسے کھول کر اندر اتروں مگر نہیں کھلا ۔ پھر نیچے جو دیکھتا ہوں تو ۔ وہ خانساماں کا بچہ ۔ لعنت ہو اُس پر ۔ میرا منہ چڑھا رہا تھا ۔ ہاتھ اٹھا اٹھا کر کوس رہا تھا ۔

ہاہو ۔ اف ۔ اف ۔ لعنت ہے ۔ میں نے بھی جواب میں اُسے مکے دکھائے ۔ اُسنے کچھ بکنا شروع کیا ۔ بس بھن بھن کی آواز آئی ۔ کیا کہہ رہا تھا سمجھ میں نہیں آرہا تھا ۔ میں نے بھی انگریزی میں ۔ گالیاں دینی شروع کر دیں ۔"

"بس بس ۔ سب سمجھ گیا ۔" محمود نے بور ہوتے ہوئے کہا ۔

"یار ۔ ابھی تو میں کلائمکس پہ نہیں پہنچا ۔۔"

لیکن اُس کا جملہ ختم نہیں ہو سکا ۔

"ہاہ ۔ بدمعاش ۔ یہاں ہے تو ۔ ٹھہر ۔" اسلم کی آواز آئی ۔

محمود نے سر اٹھا کر دیکھا سامنے سے اسلم بھاگا چلا آرہا تھا ۔

اور ۔ اور پھر اُسنے بازو دیکھا ابو الفرح کے پر لگ چکے تھے ۔

محمود اسلم کے راستہ سے ہٹ کر کھڑا ہو گیا اور دوسرے سیکنڈ آخر الذکر ابو الفرح کے تعاقب میں ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے دوڑتا ہوا اس کے بازو سے گزر گیا ۔

محمود نے کلیجہ تھام لیا۔ حالات بہت بگڑ چکے تھے۔

اُسنے ایک سکنڈ کیلئے سوچا کہ کیا سب کو اپنے اپنے حال میں چھوڑ کر شہامت کالج سے چل دینا مناسب رہے گا۔

لیکن پھر اسی خیال پر ملامت بھیجی۔

اور ساتھ ہی اُسے خیال آیا کہ اسلم کا موڈ اس قدر خراب ہے کہ اُس سے کچھ بعید نہیں ہے۔ کہیں وہ خدانخواستہ ......

اور وہ اسلم کے پیچھے دوڑا۔

پچاس ساٹھ قدم دوڑنے کے بعد اُسنے اسلم کو جالیا۔

" اسلم۔ اسلم " اُسنے اُسکے ساتھ دوڑتے ہوئے کہا۔ " ٹھہرو — مجھے کچھ کام ہے تم سے۔ "

" ک۔ ک۔ فف۔ کام غیا۔ ژہنم (جہنم) میں۔ — یہ اسلم نے رفتار تیز کرتے ہوئے کہا۔ "

زمین اُسکے قدموں کے نیچے کانپ رہی تھی۔

اور سامنے چند قدم دور ابوالفرح بھاگ رہا تھا اور چیخ رہا تھا " بچاؤ۔ اف۔ ہائے۔ بچاؤ۔ یہ مجھے مار سے ڈال رہا ہے "

اور اسلم نعرے لگا رہا تھا " ٹھیر۔ او گیدی۔ کہاں بھاگ رہا ہے۔ ٹھیر۔ فف۔ فف۔ ٹھیر۔ "

غالباً اُ [illegible] حال ہی میں کہیں افسانہ آزاد پڑھی تھی۔

محمود نے ۱۲، ۱۵ قدم اسلم کے ساتھ دوڑتے ہوئے کچھ غور کیا اور اور اپنی تازہ اسکیم تیار بھی کرلی اور اُسے عملی جامہ بھی پہنا دیا۔

یعنی اسلم کے اڑنگا مارا۔

دھم ۔ دھڑام ۔ اسلم گرا ۔ منہ کے بل گرا ۔

محمود جلدی سے لپک کر اُسے اٹھانے لگا ۔

اُدھر ابوالفرح نے آواز سنی ۔ بڑبڑا کر پلٹ کر دیکھا اور جب اُسے اسلم زمین پر گرا نظر آیا تو وہ رکا اور پھر پلٹ کر محمود کے بازو سے ہوتا ہوا آندھی کی طرح دوڑتا ہوا چلا ۔

وجہ یہ تھی کہ سامنے جھیل آگئی تھی ۔ اُس کے لئے آگے راہ فرار بند تھی ۔

محمود نے کراہتے ہوئے اور " اُف ۔ اُف " کرتے ہوئے اسلم کو اٹھایا اور بولا ۔

" آہ، شکر ہے، بچ گئے ۔ "

" اُف ۔ اُف ۔ مگر کیا گرا کیسے ۔ " اسلم پیشانی وغیرہ پونچھتا ہوا اور ناک وغیرہ پر ہاتھ پھیلا کر ان کے صحیح و سلامت ہونے کا اطمینان کرتا ہوا بولا ۔

" واہ ۔ دوڑنے میں آدمی کیسے گرتا ہے ۔ یہ بھی کوئی بات ہوئی

۔ شکر کرو کہ منہ نہیں ٹوٹا۔"

اور واقعی جائے شکر تھا کہ جہاں اسلم گرا تھا زمین نرم تھی۔ لیکن ۔ لیکن پھر بھی اُسکے خاصی چوٹ آئی تھی۔ پیشانی سے خون بہ رہا تھا۔ اور چہرے پر تمام خراشیں ہی خراشیں تھیں۔ اور ہونٹوں کے ایک گوشہ سے بھی لہو بہ نکلا تھا۔

"منہ نہیں ٹوٹا۔ ارے ۔ وف ۔ وف دانت ٹوٹ گیا معلوم ہوتا ہے؟ اور ۔ اور ۔ یہ پیشانی پر ۔ ہائے ۔ آہ ۔ وف ۔ وف۔

"کچھ نہیں پیشانی پر چوٹ آئی ہے" محمود اطمینان سے رومال سے اس کا چہرہ صاف کرتا ہوا بولا۔

"وف ۔ وف ۔ ہائے ۔" اور یکدم ہوئے اسلم کو اپنا مشن یاد آیا۔ "وہ ۔ وہ ابوالمغرح کا بچہ ۔ نکل گیا ۔ ہائے ۔ تم ۔ تم منحوس ہو ۔ تم آئے میں گر گیا۔ ورنہ گھنٹہ بھر سے اُسکے چکر میں دوڑ رہا ہوں اور مجھے کچھ نہیں ہوا تھا۔ وف ۔ وف ۔" اسلم نے ایک ایک جملہ رک رک کر ہانپتے ہوئے ادا کیا۔

اور پھر بھاگ نکلنے کی تیاری کرنے لگا۔

"اسلم ۔ ٹھہرو ۔ تمہیں سخت چوٹ آئی ہے۔"

"سخت چوٹ ۔ ابھی تو تم کہہ رہے تھے کہ معمولی چوٹ آئی ہے۔"

"وہ تو میں یونہی کہہ رہا تھا"

"ہم ۔ وف ۔ وف ۔ پھر بھی کوئی بات نہیں ۔ اچھا میں چلا۔"

اور وہ بلکنے لگا۔

محمود نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ بولا۔

"اسلم دیوانے ہو گئے ہو؟"

"پیشانی پر گہرا زخم آیا ہے جلدی سے دھو کر اُسے ڈریس کروا لو۔ ورنہ سپٹک ہو جائیگا۔ موٹے آدمیوں کا خون اول ہی۔"

"سیپٹک؟" اسلم کانپتی آواز میں بولا۔

"ہاں سیپٹک" محمود نے ڈراونے لہجہ میں کہا۔ "اور منٹوں میں تمہارا چہرہ پھول جائیگا۔ اور ۲، ۳ گھنٹہ کے اندر اندر۔"

"دو تین گھنٹوں کے اندر اندر۔ ففف۔ ففت۔" اسلم نے الفاظ دہرائے۔

"دو تین گھنٹے کے اندر اندر سیپٹک سے موت واقع ہو سکتی ہے؟" محمود نے مزید خوفناک آواز بناتے ہوئے کہا۔

"تو میں۔ میں۔ ففت ففت۔ یعنی کہ میں مرجاؤنگا؟"

"ہاں۔ بشرطیکہ تم۔"

محمود۔ میرے بھائی۔ مجھے جلدی گھر میں لے چلو۔ ڈریسنگ کرو۔ میرے زخم کی۔ ففت۔ ففت۔ ہائے۔ جلدی۔ جلدی۔" اور وہ محمود کے بازو کا سہارا لے کر جھول سا گیا۔

اُس میں دہشت کے مارے چلنے کی بلکہ کھڑے ہونے کی سکت بھی باقی نہ رہی تھی۔

آدھ گھنٹہ بعد محمود اسلم کے سر پر پٹی باندھ کر اُس کے چہرے کی خراشوں کو دھو کر آیوڈین لگا کر اور اُسے آرام سے بستر پر لٹا کر اُسکے کمرے سے نکل رہا تھا۔

باب ۱۲

چاندنی شباب پر تھی۔

سوکھے ٹنڈ منڈ سے پیڑ بھی دلفریب نظر آ رہے تھے۔

لیکن محمود کا دل بجھا سا تھا۔

اب اسے یقین ہو چلا تھا کہ صورتِ حالات اُسکے قابو کے نہیں رہے ہیں۔ اور اسی میں خیر ہے کہ وہ علی الصبح شہامت کاٹیج سے غائب ہو جائے۔

اُس نے کھڑکی میں سے باہر جھانکا۔ گہری سانس لی۔ اور پھر مڑ کر اپنے بستر پر آکر لیٹ گیا۔

اور اپنے انٹر یونیورسٹی ہاکی ٹورنمنٹ کے مسئلے کے متعلق سوچنے لگا۔

وہ راشد اور اسلم اور ابوالفرح اور نعیم کے لاینحل عقدوں کے متعلق اپنی انرجی مزید برباد نہیں کرنا چاہتا تھا۔

۱۱ بج چکے تھے۔

وہ چپ چاپ بستر پر لیٹا ماکی ایسوسی ایشن والوں پر دباؤ ڈالنے کے لئے اسکیمیں بنا رہا تھا اور انہیں مسترد کرتا جاتا تھا۔

اچانک دروازہ پر کسی نے دستک دی۔

" یہ کیا نئی مصیبت ہو گئی۔ اُس نے سوچا اور بولا۔ " اندر آجاؤ! "

اور جب دستک دینے والی ہستی اندر داخل ہوئی۔ تو واقعی اس پر چودہ طبق روشن ہو گئے۔

یہ - یہ نعیمہ تھی۔

" نعیمہ تم۔۔ " وہ ہکلا کر بستر سے اٹھتا ہوا بولا۔

" ہاں۔ میں " حسینہ نے کہا۔

اور آگے بڑھ کر اس کے پلنگ پر بیٹھ گئی۔

چند سکنڈ تک دونوں ایک دوسرے کی صورت دیکھتے رہے۔ کوئی کچھ نہیں بولا۔

محمود سوچتا رہا کہ نہ جانے یہ لڑکی اتنی رات گئے یہاں کیوں آئی ہے۔ اور نعیمہ خدا جانے کیا سوچ رہی تھی۔

" اتنی رات گئے تم یہاں ... " محمود نے سوچا کہ کہہ دے لیکن پھر چپ رہ گیا۔

نعیمہ نے اُس کے اس طرح کہتے کہتے رک جانے کا کچھ اور ہی مطلب لیا۔ بولی۔

"محمود ۔ تم ۔ تم بھی مجھ سے خفا ہو ۔"

"نہیں تو ۔" محمود بولا۔

اُس کی آواز میں ارتعاش تھا۔ خوف کا۔ وہ اتنی رات گئے اپنے کمرے میں۔ بند کمرے میں (اس لئے کہ نعیمہ نے اندر داخل ہو کر دروازہ بھیڑ کر بند کر دیا تھا)۔ دیکھ لئے جانے کے نتائج و عواقب کو سوچ کر دل ہی دل میں کانپ رہا تھا۔

"مح ۔ م ۔ و ۔ د ۔" نعیمہ نے راگ کھینچ کر کہا "میں ۔ میں ۔ بہت شرمندہ ہوں ۔ میں تم سے معافی چاہتی ہوں ۔"

"اوہ ۔ معافی کاہے کی ۔" محمود نے متعجب ہو کر کہا۔

اور ساتھ ہی اس نے اطمینان کا سانس لیا۔

"معافی ۔ پرسوں رات کے معاملہ کی ۔ جب میں نے اتنی بے دردی سے تمہارا دل توڑا ۔ "میں بہت شرمسار ہوں ۔" وہ واقعی شرمندہ تھی۔

"اور ۔ اس میں شرمسار ہونے کی کیا بات ہے ۔ اپنا ۔ اپنا دل ہے ۔ اور ۔ اور ۔"

"آہ ۔ محمود ۔۔ میں ۔ میں بہت شرمندہ ہوں ۔"

محمود نے کوئی جواب نہیں دیا۔ معاملہ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔

"میں ۔ میں کفارہ ادا کرنے آئی ہوں ۔ مجھے معاف کر دو ۔"

"معاف کر دوں ب؟"

"ہاں۔ اور مجھے اپنے قدموں میں پڑا رہنے دو۔ میں۔ میں۔ میں۔ میں بے وقوف تھی جو تمہاری محبت کو ٹھکرایا۔ مگر اب۔ اب۔ آہ۔ تم سمجھتے کیوں نہیں۔"

اپنے آپ شرماتی ہوئی حسینہ نے بے چین ہو کر کہا۔

"مگر۔ مگر۔ تم۔ تم تو ابوالفرح کو چاہتی تھیں۔" محمود نے پوچھا۔

"اب بھی چاہتی ہوں مگر۔ مگر مجھے اب اس کی صورت دیکھنا بھی گوارا نہیں ہے۔ آہ۔ ہائے۔ میں۔ میں کوشش کروں گی کہ اس کی یاد بھلا دوں۔ تمہیں یقین دلاتی ہوں کہ ہماری زندگی پر میرے اور اُسکے تعلق سے جذبات کا کوئی اثر نہیں ہوگا۔"

"ہاہ۔ آہ۔۔" محمود نے ٹھنڈی سانس لی۔

یہ نئی مصیبت اُسکے گلے پڑ رہی تھی۔

"میں۔ میں تمہیں یقین دلاتی ہوں کہ میں۔ میں ایک وفاشعار۔" نعیمہ نے اُسکے ہاتھ کو اپنے ہاتھوں میں لے کر دباتے ہوئے کہا۔ "میں ایک وفاشعار بیوی ثابت ہوں گی۔ عمر بھر تمہاری لونڈی بن کر رہوں گی۔"

اور وہ پھر اس قدر شرمائی اور گھبرائی کہ اس کا ہاتھ چھوڑ کر کمرے سے بھاگ نکلی۔

"ہائے ۔ میں تو مر گیا ۔" محمود نے خود سے مخاطب ہو کر کہا۔
"یہ ۔ یہ لڑکی ۔ غضب ہو گیا۔ پھر اُسنے سوچا۔

وہ گھٹنوں میں سر دیئے بیٹھا غور کرتا رہا کہ یہ تازہ شگوفہ کیا کھلا ہے۔
اس کا صبح شہامت کاٹیج جانے کا پروگرام چوپٹ ہوا جا رہا تھا۔

ویسے اب بھی اُس کی طبیعت چاہ رہی تھی کہ بھاگ ہی نکلے۔
لیکن ساتھ ہی یہ بھی خیال آتا تھا کہ نعیمہ کا دل۔ ٹوٹا ہوا دل اور ٹوٹ جائے گا۔
یکدم اسے اسلم کی یاد آئی۔
اور وہ کانپ اٹھا۔
اسلم جیسے موڈ میں تھا اسکے تحت کوئی چیز اُس سے قطعی بعید نہیں تھی۔

اور۔ اور اسے خوف ستا رہا تھا کہ اگر وہ صبح غائب ہو جائے گا تو پھر اسلم کو کون سنبھالے گا۔
اُس نے آنکھیں بھینچ لی اور تصور میں اسلم کو ابو الفرج کا گلا گھونٹتے ہوئے دیکھ لیا۔
اس نے سوچا کہ اگر وہ صبح یہاں سے چل دیتا ہے تو شہامت کاٹیج

بس ایک قتل تو بہرحال ہو ہی جائے گا

محمود نے سگریٹ سلگایا اور بستر سے اٹھ کر ٹہلنے لگا۔

اس نے صبح اڑنچھو ہو جانے کا پروگرام ملتوی کر دیا تھا۔

اور بڑی سنجیدگی اور گہرے انہماک سے وہ راشدہ و اسلم میں اور ابوالعزم اور نعیمہ میں ملاپ کرا دینے کے لئے طریقہ کار میں ہزار فیصد موثر۔ طریقہ کار کے لئے غور کر رہا تھا۔

یہ اس لئے کہ نہ صرف اسلم کی دیوانگی سے اُسے خدشات وابستہ تھے بلکہ اُسے نعیمہ سے پنڈ چھڑانا بھی تھا۔

نعیمہ اُسے قطعی پسند نہیں تھی۔ اور وہ اُسے عارضی محبوبہ کی حیثیت سے بھی ایک منٹ کے لئے گوارا نہیں کر سکتا۔ اور پھر اگر معاملات کو جلدی بھی رفع دفع نہ کر دیا جائے۔ یعنی سلجھا دیا جائے۔ تو اس بات کا ڈر تھا کہ نعیمہ کہیں راشدہ کی طرح اس بات کا اعلان نہ کر دے ” وہ خود محمود۔ اس سے شادی کرنے والا ہے۔

اور۔ اور چچی بیگم اور چچا تک اطلاع پہنچ جائے تو پھر یکدم گڑبڑ گھٹالا ہو جاتا تھا۔

اور اب اُسے جو کچھ کرنا تھا ۵ ، ۶ گھنٹہ میں صبح ہونے سے پہلے کرنا تھا۔

اُسے یقین تھا کہ ناشتہ کے وقت تک نعیمہ راشدہ کو شریک راز

بنالے گی اور پھر سا شدہ خبر کو فوراً مشتہر کرے گی ۔

اُسے کچھ نہیں سوجھ رہی تھی ۔ سامنے تاریکی ہی تاریکی تھی ۔

لیکن نہیں ۔ کہیں دور ۔ بہت دور امید کی ایک کرن کی چمک بھی تھی ۔

لیکن کیا ۔ اُسے اچھی طرح سے یاد نہیں آ رہا تھا ۔

محمود نے اپنا سر پیٹ لیا ۔ لیکن جیسے دماغ کام کرنے پر آمادہ ہی نہیں تھا ۔

کوئی ترکیب ضرور تھی ۔ لیکن نوک دماغ پر (بر وزن نوک زبان) آ ، آ کر رہ جا رہی تھی ۔

ایک ہی صورت تھی ۔ دماغ کو تروتازہ کرنا تھا ۔

وہ دوڑتا ہوا نیچے اترا ۔

ڈرائنگ روم میں داخل ہو کر اُس نے نعمت خانہ کھولا ۔ شربتوں کی جتنی بوتلیں تھیں نکال لیں ۔ چھوٹا سا جگ میز سے اٹھایا اور ہر ایک بوتل سے ذرا ۔ ذرا سا شربت اس میں انڈیل کر جگ کو بھر لیا ۔

اس کا کاک ٹیل تیار تھا ۔

یہ خدا جانے نفسیاتی اثر تھا یا حقیقت تھی کہ کاک ٹیل کے تیسرے

گھونٹ کے حلق سے اُترتے اترتے اس کا دماغ کام کرنے لگا۔

میز کا سہارا لیئے ہوئے اُس نے ایک ہاتھ سے سر کھجایا۔

”آہا۔ ہاہ۔ ہا۔ میاں محمود بڑی مشکل میں پھنس گئے۔ اب کیا کریں۔“

پھر جیسے کسی نے اُسے یاد دلایا

”دونوں جوڑے ہیں۔ روٹھے ہوئے جوڑوں کے دلوں میں ایک دوسرے کے لیئے گنجائش باقی ہے۔ نہیں بلکہ محبت اب بھی باقی ہے“ وہ اپنے آپ سے باتیں کر رہا تھا۔ (اُسے راشدہ کی اسلم کے متعلق کہی ہوئی شام والی بات۔ اور نعیمہ کی کچھ پہلے کہی ہوئی بات۔ ابوالفرح کی محبت کے متعلق یاد آگئی تھی)

”اور بس کچھ ایسی ترکیب کرنی چاہیئے کہ ان لڑکیوں کے غصہ اور ضد پر انکے جذبات قلبی غالب آجائیں۔“

کاک ٹیل ختم کر کے اُسنے سگریٹ سلگایا۔ زور سے سیٹی بجائی پھر جمائی لی۔ کان کھجائے۔

اور پھر اچھل پڑا۔

”ہاہ۔ وہ مارا۔ وہ لیا۔ ان دو فتنوں کو کسی نہ کسی طرح سے مصیبت میں ڈالنا چاہیئے۔ بلکہ خطرہ میں پھنسا دینا چاہیئے۔ اور۔ اور لازمی طور پر دونوں کے عاشق اپنی اپنی محبوبہ کو

بچانے دوڑیں گے ۔ اور پھر ۔ پھر لڑکیوں کے دلوں میں پرانی محبت عود کر آئے گی ۔"

وہ کرسی پر بیٹھ گیا اور سوچنے لگا کہ کیا کیا جائے ۔

لڑکیوں کو لڑکیوں کے سامنے ۔ راشدہ اور رغیبہ کو اسلم و ابو الفرح کے سامنے کسی حادثے سے دوچار کرا دینے سے اس کا کام بن جاتا تھا ۔

مگر حادثہ کیا ہو ۔ کیسے اس کے لئے بندوبست کیا جائے ۔

اُسنے اپنے دماغ پر ذرا اور زور دیا ۔

ناولوں افسانوں میں پڑھے ہوئے کئی قصے یاد آئے کہ کس طرح ہیروئن کو ۔ ناراض ہیروئن کو ۔ مصیبت میں، آفت میں مبتلا دیکھ کر ہیرو جان پر کھیل کر اُسے بچاتا ہے اور ہیروئن رام ہو جاتی ہے ۔

ان تمام قصوں میں افسانوں اور کہانیوں میں جو جو حادثے بیان کئے گئے تھے اُن میں سے اُسے دو طرح کے حادثے بہت پسند کئے ۔

ایک کشتی کے الٹ جانے کا دوسرا آتشزدگی کا ۔

جھیل قریب ہی تھی ۔ اور آتش زدگی کے لئے اُسے صرف دیا سلائی دروازے کے پردے یا چادر کو دکھانی تھی ۔

لیکن مزید غور و خوض کے بعد اُس نے کشتی کی غرقابی کی اسکیم

رد کر دی۔ رات کو بارہ بجے بلکہ ایک بجے وہ راشدہ، نعیمہ، اسلم، اور ابوالفرح کو کسی بھی حیلے سے جھیل کی سیر پر نہیں لے جا سکتا تھا۔ البتہ یہ صبح ضرور ممکن تھا۔

لیکن وہ صبح تک انتظار نہیں کر سکتا تھا۔

"بس آتشزدگی کی واردات ہی مناسب رہے گی" اُس نے سوچا۔

دوسرے منٹ محمود اوپر کی منزل پر چڑھ رہا تھا۔

کاریڈور میں کھڑے ہو کر اُسنے اِدھر اُدھر نظر دوڑائی۔

اُس کے کمرے کے دہنے ہاتھ پر پہلا کمرہ اسلم کا تھا۔ دوسرا ابو الفرح کا۔ اور دونوں بند تھے۔ ان کے مکین سو رہے تھے۔

اُسکے کمرے کے سامنے کے کمروں کی قطار میں اُسکے کمرہ بھی بائیں سمت پہلا کمرہ راشدہ کا تھا، دوسرے میں نعیمہ ٹھیری تھی یہ بھی بند تھے۔

پھر وہ نیچے اتر گیا۔

ہر طرف سنسانی تھی۔ رات کا تیسرا پہر تھا۔

چاندنی خاصی تیز تھی۔ اس لئے وہ بغیر بجلی جلائے اٹکل سے کاریڈور اور برآمدوں میں پھرتا رہا۔

اِدھر اُدھر گھوم پھر کر اُسنے موقعہ و محل کا معائنہ کیا۔

راشدہ کے کمرے کے نیچے لائبریری تھی اور اُس سے متصل ڈرائنگ روم تھا جسکے اوپر دو کمرے بنے ہوئے تھے۔ جنمیں سے پہلے والے میں نعیمہ سکونت پذیر تھی۔

اب اُسے صرف سرگرم عمل ہونا تھا۔

اُس نے سر ہلایا۔ ایک اور سگریٹ پی اور پھر طے کیا کہ بجائے اس کے کہ آگ لڑکیوں کے کمرے میں لگائی جائے۔ نیچے ڈرائنگ روم کا جل اٹھنا مناسب رہے گا۔ کیونکہ اِسی سے لڑکیوں کو ضرر پہنچنے کا احتمال بھی ختم ہو جاتا تھا اور ساتھ ہی ۔۔

اُسے ڈرائنگ روم کا آؤٹ آف ڈیٹ فرنیچر سخت ناپسند تھا۔ اور وہ بیسیوں بار چچا جان سے کہہ چکا تھا کہ اِسے کباڑ خانے بھیج کر دوسرا فرنیچر منگوایا جائے۔ لیکن کوئی سنوائی نہیں ہوئی تھی۔

کچھ دیر بعد وہ گیرج سے پٹرول کا ٹن لئے ہوئے نکلا۔

ڈرائنگ روم میں پہنچ کر اُسنے بتی جلائی۔ نوکروں کے کوارٹر دور تھے۔ دوسری سمت اُدھر سے روشنی کے دیکھ لئے جانے کا کوئی خطرہ نہیں تھا اور ساتھ ہی اُس نے بتی جلانے سے پہلے کھڑکیوں اور دروازوں پر پردے بھی کھینچ دیئے تھے۔

لائبریری کی سمت والی دیوار دیکھ کر اطمینان کر لیا آگ زیادہ پھیلے بغیر لائبریری کو نقصان نہیں پہنچائیگی۔

دوسرے منٹ وہ کمرہ میں پٹرول چھڑک رہا تھا۔

گیلن کے ڈبہ کے ایک چوتھائی تک خالی ہو جانے کے بعد اُس نے پٹرول چھڑکنا بند کر دیا۔

ڈبہ کو بند کر کے دروازہ کے باہر لے جا کر رکھ دیا اور دروازہ میں کھڑے ہو کر ہاتھ بڑھا کر بجلی بجھائی۔ اور پھر دیا سلائی سلگائی اور کمرے میں پھینک کر جھپٹ کر دروازہ باہر سے بند کر دیا۔

ڈبہ لے کر وہ اوپر بھاگا۔

اور اپنے کمرے میں رکھ کر جلدی سے باہر نکلا۔ کاریڈور کے شمالی سرے پر کی بالکونی تک تیز تیز چلتا ہوا گیا اور نیچے جھانک کر دیکھا

ڈرائنگ روم کے روشندانوں سے۔ ڈیٹی لٹیروں سے۔

— دھواں اور آگ کے شعلے نکل رہے تھے۔

وہ تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا اسلم اور ابوالفرح کے کمروں کے پاس آیا۔ اور چیخا۔

"آگ۔ آگ۔" اور ان کے دونوں کے دروازے تھپتھپا کر چپ ہو گیا۔

دو سکنڈ بھی نہ گزرنے پائے تھے کہ اسلم اور ابوالفرح جھپٹ کر

باہر نکلے۔

"کہاں ہے آگ کہاں لگی۔"

"کہاں لگی ہے۔"

دونوں نے پوچھا۔

"ڈرائنگ روم میں۔ عین راشدہ اور نعیمہ کے کمروں کے نیچے۔ اور بڑی تیزی سے پھیل رہی ہے۔ چلو۔ بھاگو نیچے اتر چلیں۔"

"راشدہ کو چھوڑ کر بھاگ جاؤں۔" اسلم نے کہا۔

"ہائے نعیمہ۔" ابوالفرح چیخا اور دونوں لڑکیوں کے کمروں کی طرف لپکے۔

محمود بھی دونوں کے پیچھے دوڑا۔

دونوں عاشق دوڑتے ہوئے علی الترتیب اپنی اپنی محبوباؤں کے دروازے پر رکے۔

"آگ۔ آگ۔" دونوں ایک ساتھ چیخے۔ اور دروازوں کے ہینڈل گھما کر یکدم اندر گھس گئے۔

لڑکیوں نے اتفاقاً دروازوں کو اندر سے بولٹ نہیں کیا تھا۔

محمود نے دونوں کمروں سے چند قدم دور ہی رک گیا۔

اور راشدہ و اسلم اور ابوالفرح و نعیمہ کی گفتگو چیخ و پکار کی

آوازوں کو سن کر مسکرایا۔

پھر اُسنے ڈریسنگ گون کی جیب میں جلدی سے ہاتھ ڈالا۔ پیٹرول کی شیشی نکالی۔

فرش پر پیٹرول انڈیل کر ذرا ہٹتے ہوئے تیلی جلا کر محمود نے باہر پھینکی۔

اور آگ کے شعلے بھڑک اٹھے۔

ساتھ ہی اسلم راشدہ کا ہاتھ پکڑے دوڑتا ہوا کمرہ سے باہر نکلا۔ دوسرے کمرہ سے ابوالفرح و نعیمہ۔ دست بگریباں نکل کر ان کے پیچھے آگئی۔

محمود چچا۔ جلدی۔ جلدی۔

ذری سی ہے۔ دیر ہوئی تو پھیل جائے گی۔

بیچ میں سے گزر کر آؤ۔

وہ آگ کے شعلوں کے اس پار کھڑا تھا۔

راشدہ اور نعیمہ نے چیخیں ماریں۔

اسلم اور ابوالفرح نے اپنی اپنی جان تمنا کو لپک کر گود میں اٹھایا۔ اور جست کرتے ہوئے شعلوں میں سے گزر کر اس پار آگئے اور ویسے ہی دونوں لڑکیوں کو گود میں اٹھائے ہوئے ہی زینہ کی طرف بھاگے۔

محمود نے یہ دیکھا۔ مسکرایا اور ایک منٹ توقف کر کے جب ۲ اونس ۳ اونس بھر پٹرول جل چکا تھا۔ اور شعلے ختم ہو گئے۔ تو وہ کاریڈور سے زینہ کی طرف بھاگا۔

اُس نے پٹرول کاریڈور میں ایسی جگہ انڈیلا تھا جہاں دس دس فٹ تک دونوں بازوؤں میں کوئی دروازہ نہیں تھا۔

دیواریں، اور فرش پکا تھا۔ اس لئے آگ لگ جانے کا ڈر نہیں تھا۔

اور شیشی بھر پٹرول ۲، ۳ منٹ میں جل کر ختم ہو گیا تھا۔

نیچے برآمدے کے سامنے سبزہ پر چچا جان۔ چچی بیگم۔ اور جمال خاں کھڑے چیخ رہے تھے۔

سبزہ پر راشدہ اور نعیمہ لیٹی ہوئی سی تھیں۔ لڑکیاں غالباً اوپر بے ہوش ہو گئی تھیں۔

اور ان کے عاشقانِ صادق رومال جھل رہے تھے۔

شہامت کاٹیج بقعۂ نور بنا ہوا تھا۔ ہر طرف بتیاں جل اٹھی تھیں۔

خانہ زادوں اور نوکروں کا ایک لشکر فیروز کی سرکردگی

میں بالٹیاں بھر بھر کر پانی اور ریت ڈرائنگ روم میں پھینک رہا تھا۔

اور کامن روم اور لائبریری سے سامان اِدھر اُدھر نکال رہا تھا۔
اور شکر کا مقام تھا کہ آگ ڈرائنگ روم تک ہی محدود تھی
لیکن پھر بھی چچا جان اور چچی بیگم بے حد پریشان تھیں اور چیخ چیخ
کر نوکروں کو ہدایات دے رہی تھیں۔

چچا جان سابق نواب تہامت جنگ کراہ رہے تھے۔
”بیگم ۔ آہ بیگم میری لائبریری۔“
”ہائے میری کتابیں۔“
محمود فوراً لائبریری کی طرف لپکا۔
اتنے میں دور سے فائر انجن کی ٹن ٹن سنائی دینے لگی۔

لائبریری میں پہنچ کر محمود فوراً چچا جان کی خاص میز کی طرف گیا۔ دروازے کو جھٹکا دے کر کھولتے ہی۔ قفل توڑ کر۔ اُس کے دماغ کے چودہ طبق روشن ہو گئے۔
۱۰۰، ۱۰۰ کے نوٹوں کی ایک گڈی تھی۔
اُس۔ نے فوراً گڈی جیب میں اتاری اور ساتھ ہی تمام کاغذات بھی نکال لئے۔ اور دروازہ بند کر کے ایک سکنڈ کے لئے

آنکھیں بھینچ لیں ۔ پھر چیخ کر فیروز بخت سے کہا کہ میز باہر نکالنے میں اس کی مدد کرے ۔

فیروز کی مدد سے اِسی یک خانہ ۔ ایک دراز والی میز کو لئے ہوئے وہ باہر نکلا ۔

انہیں برآمدے سے نیچے اُترنے کے لئے ڈرائنگ روم کے سامنے سے ہو کر جانا پڑتا تھا ۔

آگ کے شعلے ڈرائنگ روم کے جلے دروازے سے باہر نکل رہے تھے ۔ چوکھٹ اور دروازے کبھی کے جل چکے تھے ۔

عین اسی وقت جب کہ میز دروازہ کے محاذی تھی ۔ محمود لڑکھڑایا ۔ اور سنبھلتے سنبھلتے اِس طرح گرا کہ میز الٹ کر اُس کے ہاتھ سے چھوٹ کر گری ۔ اور ساتھ ہی اس کی دراز دروازہ میں سے ہوتی ہوئی اندر داخل ہو گئی ۔

اندر ڈرائنگ روم میں ۔ جو تنور بنا ہوا تھا ۔ آگ میں جا گری ۔

دراصل محمود نے جان بوجھ کر لڑکھڑاتے ہوئے ۔ سوچ سمجھ کر گرتے ہوئے دروازے کو جھٹکا دے کر ڈرائنگ روم میں پہنچایا تھا ۔

آہ ۔ میری میز ۔ میرے کاغذات ۔ چچا جان چلائے ۔

اتنے میں فائر بریگیڈ کا انجن کمپونڈ میں داخل ہوا۔

آدھ گھنٹہ بعد آگ بجھ چکی تھی۔

اور فائر بریگیڈ والے واپس جا رہے تھے۔

محمود نے برآمدے میں ایک ستون سے ٹیک لگا کر سامنے دیکھا۔

چچاجان لائبریری سے نکالے ہوئے سامان کی طرف متوجہ تھے اور کچھ بڑبڑا رہے تھے۔

چچی بیگم نوکروں کو ڈانٹ ڈپٹ رہی تھیں اور آتشزدگی کی ذمہ داری ان کی لاپروائیوں پر رکھ رہی تھیں۔

اور ۔۔

اور اس کی آنکھیں چمک گئیں۔

سامنے ۲۰ قدم دور سبزہ پر دنیا ومافیہا سے بے خبر جار دلیاں عشق بیٹھے تھے۔

برآمدے کی روشنی کے نور میں وہ صاف طور پر دکھائی دے رہے تھے۔

راشدہ، اسلم کا ہاتھ اپنے ہاتھ سے تھامے ہوئے دوسرا ہاتھ بڑے پیار سے اُس کے سر پر بندھی ہوئی پٹی پر پھیر رہی تھی۔ اور مسکرا بھی

رہی تھی ۔

اسلم کے چہرے سے خوشی پھوٹی پڑ رہی تھی ۔

دونوں سرگوشیوں میں باتیں بھی کر رہے تھے ۔ اور ذرا ذرا سی دیر سے ہنس بھی دیتے تھے ۔

ان سے چند قدم ہٹ کر ابوالفرح حسینی ۔ ابوالفرح حسینی ہیں ۔ اپنی جان تمنا نعیمہ سے چپکا بیٹھا تھا ۔ اس کا ایک ہاتھ اُسکی کمر کے گرد تھا ۔

اور نعیمہ بڑے پیار سے اُسکے بالوں کو انگلیوں سے منتشر کرتی ہوئی دبی ہوئی آواز میں کچھ کہہ رہی تھی ۔

اور محمود ۲۵ قدم دور سے بھی ابوالفرح کی با ع ات ۔ لعذت سے سن رہا تھا ۔

محمود نے اطمینان کا سانس لیا ۔ اور خود بخود ۔ غیرارادی طور پر اسکے منہ سے سیٹی نکل گئی ۔ اور وہ کوئی تیز دھن بجانے لگا ۔ بجی بیگم نے جو نوکروں کو ڈانٹتے ہوئے رک گئیں تھیں ۔ اپنے بھتیجے کی سیٹی پر دھن سنی ۔

غصہ سے وہ اس کی جانب پلٹیں اور چیخیں ۔

"محمود۔۔؟"۔

محمود نے ان کی توقع کے خلاف بوکھلائے بغیر اُن کی طرف مڑ کر دیکھا اور پھر جواب دیئے بغیر گردن پھیر لی۔

ساتھ ہی اُس نے ایک ٹھنڈی سانس بھی کھینچی۔

چچی بیگم نے بڑے تعجب سے اس کی نگاہوں کے رُخ کی سمت دیکھا کہ آخر وہ اس قدر انہماک سے کون سا مسرور کن منظر دیکھ رہا ہے۔

اور۔۔

اور پھر ان کے دیدے پھیل گئے۔

بے اختیار ان کے منہ سے بھی سکون و اطمینان کی مظہر ایک ٹھنڈی آہ نکل گئی۔

مسکراتی ہوئیں بلکہ جھومتی جھامتی ہوئی وہ اپنے بھتیجے کی طرف بڑھیں اور اُسے کندھے سے ہلا کر آہستہ سے بولیں۔

"یہ۔ یہ میں کیا دیکھ رہی ہوں۔" کہیں خواب تو نہیں۔

"نہیں حقیقت ہے۔"

"لیکن کیسے۔۔ کیسے یہ سب ہوا۔ وہ قدسی لڑکی۔۔"

"محمود کی کرامات ہے۔"

محمود انکی بات کا ٹکڑا کرتا ہوا بولا۔

"یہ سب۔۔"

چچی بیگم نے جواب میں اس کے گال تھپتھپائے۔ اور آگے بڑھنے لگیں۔

"نہیں۔ انہیں۔ اُن کی محویت میں مداخلت نہ کیجئے" محمود نے انہیں روکتے ہوئے کہا۔

اور پھر یکایک کچھ یاد کر کے بولا۔

چچی بیگم۔ مائی ڈیرسٹ۔ مجھے آپ سے کچھ کام ہے۔

"ذرا اُسی طرف چلئے۔"

۱۵، ۲۰ قدم ہٹ کر پورٹیکو کے ستون کے پاس پہنچ کر محمود نے ڈریسنگ گون کی جیب میں ہاتھ ڈالا۔

اور اُن سے بولا۔

"آنکھیں بند کیجئے تو ایک چیز دوں۔"

"لڑکے۔ یہ۔ یہ بھی کوئی مذاق کا وقت ہے۔"

چچی بیگم جھلا گئیں۔

وہ دراصل یہ سمجھ کر آئیں تھیں کہ محمود انہیں کوئی بہت اہم بات بتانے جا رہا ہے۔

"چچی بیگم۔ آنکھ بند کیجئے۔ جلدی۔" محمود چیخا۔

"لڑکے۔ ہا۔"

"چچی بیگم - آپ کو میرے سر کی قسم ہے -" محمود نے دھمکی دینی چاہی -

"اچھا - اچھا لڑکے" اور انہوں نے آنکھیں بھینچ لیں -

محمود نے فوراً جیب سے نکال کر نوٹوں کی گڈی اُن کے ہاتھوں میں تھما دی - اور بولا -

"اب آنکھیں کھولئے -"

چچی بیگم نے آنکھیں کھولیں - فطری طور پر اپنے ہاتھوں میں دیکھا اور چیخیں -

"لڑکے - کہاں سے لے آیا - سب - سو، سو کے ہیں"

"آہستہ آہستہ بولئے - چچا جان نہ سن لیں - ان کی میز میں سے اڑا لایا ہوں -"

"مگر بابا، انہیں پتہ نہیں چلے گا کیا - تو تو بدھو ہے"

ہشت - میں نے انکی میز کی دراز ڈرائنگ روم میں لڑھکا دی -

- اور - اور میرے خیال میں اب تک وہ ان روپیوں کو یہ سمجھ کر صبر کر چکے ہونگے - کہ دراز کے ساتھ جل گئے -

چچی جان نے نوٹوں کو دیکھا - پھر سعادت مند بھتیجے کو دیکھا اور یکدم اُسے سینے سے چمٹا کر اس کی پیشانی کا بوسہ لے کر

بولیں۔"

"تو۔ تو ہیرا ہے ہیرا۔"

"ہوں۔ شکریہ۔ مگر میرے ہزار روپے دینا نہ بھولئے" محمود نے کہا۔

دوسرے سکنڈ وہ انہیں نوٹ گننے میں مصروف چھوڑ کر نیچے لان کی طرف بڑھا۔

راشدہ اور اسلم کے پاس قریباً ان کے سروں پر وہ جا کھڑا ہوا۔ مگر دونوں کو خبر بھی نہیں ہوئی۔ ایک دوسرے ہی عالم میں وہ کھوئے رہے۔

"فف۔ فف۔ ہاؤ۔ آؤ۔ میرے عزیز۔" محمود نے کہا اور دونوں کے بوکھلا کر اس کی جانب متوجہ ہونے سے پہلے آگے بڑھ گیا۔

ابوالفرح اور نعیمہ اتنے غافل نہیں نکلے۔

وہ اس کے قریب آتے ہی ذرا ہٹ کر ایک دوسرے سے دور ہو کر بیٹھ گئے۔

"اف۔ لعنت ہو۔" اس نے زور سے کہا اور ہنستا ہوا آگے بڑھ ہی رہا تھا کہ ابوالفرح اٹھا۔

"کس پر لعنت بھیج رہے ہو۔؟" اس نے سوال کیا۔

"مریضان عشق پر۔ تم نے سنا نہیں۔ چچا غالب کیا کہہ گئے"

ہیں۔

”پتہ نہیں۔“ ابوالفرج اُس کے رویہ سے کچھ حراساں تھا۔

” مریضِ عشق پر لعنت خدا کی۔
مرض بڑھتا گیا، جوں جوں دوا کی۔

”اف۔ بائے۔ وہ۔ وہ تو یوں ہے“ ابوالفتح اُسے ڈانٹنے کے انداز میں بولا۔

”مریضِ عشق پر رحمت خدا کی۔۔ آہ“
لیکن محمود نے اس کی بات نہیں سنی تھی۔
اپنی کہہ کر وہ تیزی سے وہاں سے چل پڑا تھا۔

وہ جھیل میں کشتی میں لیٹے ہوئے ہاکی ایسوسی ایشن والوں کو اپنے کیس کی تائید پہ آمادہ کرنے کے لئے اسکیمیں بناتا جا رہا تھا۔

ختم ہوا۔